بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

الجواب عن مقالة "الطالب المطلوب علی رد بعض أوهام الأخ أبي المحبوب" .

* ابو المحبوب سید انور شاہ راشدی *

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد :

رسالہ دعوت اہلحدیث (شمارہ ۹ - ۲۰۱۵ء) میں برادرم حافظ شبیر احمد جمالی حفظہ اللہ آف نواب شاہ کا ایک مقالہ بعنوان ("دعوت قبل "بسم اللہ" کس طرح پڑھنی چاہیے؟) نظر سے گذرا۔

موصوف کے اس مقالہ میں چند تسامحات نظر آئے۔ لہذا بمصداق حدیث "المؤمن مرآة المؤمن" ان تسامحات کی نشاندہی کرکے میں نے ایک مقالہ بعنوان "الرد الأثيم في بعض الملاحظات على مقالة الحافظ شبير" ترتیب دیا۔

جس پر محترم موصوف نے "الطالب المطلوب علی رد بعض أوهام الأخ أبي المحبوب" کے نام سے مقالہ لکھا، جو میرے مقالے کے دو اعتراض پر مشتمل ہے، باقی اعتراضات کے متعلق یہ کہہ کر "باقی تفاوت از بحث ہیں" (ص ۲) انہیں صرف نظر کردیا، مگر ایضاً اس مقالہ کے آخر میں یہ لکھا کہ "اس آخر الذکر ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ والی روایت کی مکمل بحث میں ان شاء اللہ کبھی

وقت لکھوں گا۔ ص ۱۳

مزید آخر میں شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں آخر میں پھر بھی شیخ محترم کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ نکال کر علمی جواہر سے نوازا، ہاں باقی کچھ چیزیں شیخ کے اوہام پر مبنی ہیں، جنکی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے.... باقی اتنا کہہ دیتا ہوں کہ شاہ صاحب نے خواہ مخواہ تکلف کیا ہے۔ ایک ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے۔ لیکن پھر بھی آپ اجر کے مستحق ہیں۔۔۔الخ۔ ایضاً۔

دراصل محترم موصوف کے درج ذیل تسامحات کی میں نے نشاندہی کی تھی۔

۱۔ حدیث ابی موسی اشعری رضی اللہ عنہ "اللّٰھم اغفر لی ذنبی..الخ" کو ابن حجر رحمہ اللہ کی متابعت میں ابو مجلز اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا تھا۔ تو میں نے اس انقطاع کا جواب دیا۔

۲۔ (علی بن ثابت) نامی راوی کی تعیین انکو مطلوب تھی، تو میں نے تعیین کے ساتھ اسکی توثیق بھی محدثین کرام رحمہم اللہ سے ثابت کر دی تھی۔

۳۔ محترم موصوف نے "محدث احمد بن مسعود زنبری" کو مجہول قرار دیا تھا، جس پر میں نے بطور تنبیہ یہ کہا کہ "کسی راوی پر مجہول کا لفظ اطلاق کرنے سے مجہول العین مراد ہوتا ہے، یعنی وہ راوی جس سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہو، اور اسکی کسی محدث نے توثیق نہ کی ہو، محترم موصوف نے احمد بن مسعود زنبری کو اس لئے مطلقاً مجہول

کہا ہے کہ اسکی (انکے نزدیک کسی محدث نے توثیق نہیں کی) لیکن انکی یہ تعبیر درست نہیں۔

بلکہ انکو اگر توثیق نظر نہیں آئی تو کم از کم انہوں نے حافظ ذہبی کی کتاب "سیر أعلام النبلاء" (۱۵/۳۳۳) اور تاریخ الاسلام (۲۵/۸۸) کو ضرور مد نظر رکھا ہوتا[1] ان میں ہے کہ انسے (یعنی محدث زنبری سے) روایت لینے والوں (میں) امام طبرانی، ابوبکر ابن المقریٔ، امام ابن یونس امام ابن شاہین، اور عمار بن محمد التمیمی کا نام مذکور ہے، یعنی یہ پانچ رواۃ اس سے روایت کرتے ہیں (روایت کرنیوالے اور بھی ہیں) تو جس سے پانچ رواۃ روایت کرنے والے ہوں وہ مجہول العین کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ مجہول الحال یا مستور کہتے۔ جس سے ظاہر ہوتا کہ اسکا عین مجہول نہیں بلکہ اسکے حالات مجہول ہیں،

انکی اس تعبیر سے محدث زنبری مجہول الحال یا مستور نہیں بلکہ مجہول العین معلوم ہوتے ہیں، حالانکہ انکی یہ تعبیر درست نہیں۔ بلکہ وضاحت کرنی چاہئے۔ الرد الاثری ص : ۳)

٤ - محدث زنبری کی توثیق بھی ذکر کی تھی۔

---

(۱) : محترم موصوف نے " ضرور مد نظر رکھا ہوتا " لکھا ہے، مگر حالانکہ میرے کلام سے عیاں ہوتا ہے کہ " میرا انکے بارے میں یہ حسن ظن تھا کہ انہوں نے ذہبی کی مذکورہ دونوں کتابیں دیکھی ہونگی " اور انکی بیان کردہ میری عبارت سے مفہوم تبدیل ہو گیا ہے، جسکا مطلب یہ بنتا ہے کہ میں انکو ان دونوں کتابوں کی مراجعت کی ترغیب دے رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے انکو ترغیب نہیں دی بلکہ یہ میرا حسن ظن ہے کہ انہوں نے وہ کتابیں دیکھی ہونگی۔

تو محترم موصوف نے آخری (۳-۴) کے اعتراضات کے جواب میں
قلم اٹھانے کی زحمت اٹھائی ہے۔

نمبر ۳ تو سرے سے اعتراض ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک راوی
کی تعیین سے متعلق ہے، جیسا محترم موصوف کو بھی اقرار ہوگا۔

باقی نمبر ۱ اعتراض کے متعلق یہ فرمایا کہ اس پر وہ بعد میں
لکھنے کی زحمت کرینگے،[1] لیکن میں اسی مقالہ کے آخر میں اس نمبر ① پر
گفتگو کرونگا کہ ان شاء اللہ العزیز اس میں مزید گفتگو کی گنجائش ہے
ہی نہیں جو محترم موصوف اس پر کچھ کہنے کی زحمت فرمائیں۔

اب میں بلا تاخیر محترم کے جوابات دینے کی جانب بڑھتا ہوں کہ
آیا یہ جوابات کسی حد تک درست ہیں۔

لیکن اس سے پہلے یہ عرض رکھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے علاوہ ہر کسی کی بات قبول بھی کی جاتی ہے اور رد بھی
اور جو جس بات کو اخلاص نیت سے درست سمجھتا ہے اسی پر
دوسروں تک اپنی استطاعت کے مطابق فرض اور واجب ہے۔ لہذا
اس چیز کو مدنظر رکھکر میں نے محترم موصوف کے تسامحات کی
نشاندہی کی تھی۔ ضروری نہیں کہ میری ہر بات درست ہو۔ لیکن جس
کو درست سمجھتا ہوں وہ بہرحال دوسروں تک پہنچانی چاہیئے۔ اگر
میں غلطی پر ہونگا تو میری اصلاح ہو جائیگی اور یہ سلسلہ صدیوں
پرانا ہے۔ مگر جب میں نے یہ تسامحات لکھکر محترم موصوف کو
کسی جماعتی کے توسط سے بھیجے تو انہوں نے جن الفاظ سے ساتھ شکریہ
ادا کیا وہ پیچھے ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ "شاہ صاحب نے

---

(۱) لیکن اختصار کے ساتھ اس اعتراض پر گفتگو کی ہے۔ جو کہ انقطاع سے متعلق ہے۔

خوامخواہ تکلف کیا ہے ایک ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے گیا یہ تو آگے معلوم ہوگا کہ میں نے ایک روایت کی صحت ثابت کرنے کے لئے یہ تکلف کیا ہے یا ایک ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے، لیکن سردست یہاں یہ عرض رکھنا چاہتا ہوں کہ محترم موصوف کے یہ کلمات اخلاقا اور شرعا درست نہیں کہ وہ اہل علم کہیں، جبکہ وہ یہ تسلیم بھی کر چکے ہیں کہ مجتہد کم از کم ایک اجر کا مستحق ضرور ہے، جب مجتہد ایک اجر کا مستحق ہے تو کیا انکو یہ مناسب تھا کہ اسی طرح کے کلمات ادا کریں، اور یہ شکریہ ادا کرنے کا کونسی اسلامی طریقہ ہے کہ کسی کی محنت کو اس طرح حقیر نگاہوں سے دیکھا جائے، خصوصا اس صورت میں کہ شاید میرے اعتراضات بہت ثابت ہو جائیں، لیکن اگر نہ بھی ہوں تب بھی انکو قطعا نہ شرعا اور نہ اخلاقا یہ حق ہے کہ اس طرح کسی کے ساتھ سلوک برتا جائے؟ محترم موصوف کے شکریہ ادا کرنے کا ایک یہ طریقہ تھا، اب دوسرا ملاحظہ فرمائیں۔

لکھتے ہیں - جیسا پہلے گذرا -: میں آخر میں پھر بھی شیخ محترم کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ نکال کر علمی جواہر سے نوازا .. الخ ص ۱۳

اب بتایا جائے کہ محترم موصوف کے اس شکریہ میں صداقت ہے یا یا جو اوپر گذرا، دونوں کے مابین تناقض بالکل واضح ہے، اگر انکو میرے مقالے سے علمی جواہر ملے ہیں تو پھر میری تحریر کو " خوامخواہ تکلف کرنا " سے تعبیر کرنا کس بات کی غمازی ہے؟ بہرحال یہ محترم موصوف ہی طے کریں گے کہ انکی کونسی

بات درست ہے؟

اللہ تعالی سے توفیق وہدایت کا سوال کرتے ہیں، اور حق وسچ بات کی نشرواشاعت کی بھی دعا کرتے ہیں،

اب میں اس طرف آتا ہوں کہ میرے اعتراضات قابل لحاظ تھے یا نہیں؟

۱۔ مجہول کی اصطلاح پر بحث،

سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ میں نے جب محترم موصوف کو اس طرف متنبہ کیا کہ مجہول راوی کی تعیین وتوضیح کرنی چاہئے، تو اسی پر جوابا دو باتیں پیش کیں۔

۱۔ انہوں نے بعض محدثین کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے مثالیں پیش کیں کہ انہوں نے مجہول الحال یا مستور رواۃ کو مطلقا مجہول کہا ہے، تو اگر آپ (یعنی میں) کے نزدیک یہ قابل اعتراض بات ہے تو پھر یہی اعتراض ان محدثین کرام پر بھی ہوتا ہے۔

۲۔ کہ انہوں نے مطلقا مجہول اس وجہ سے بھی کہا ہے کہ اختصار مقصود تھا، کیونکہ اگر یہ چیز یں مفصل ذکر کی جائیں، اور ایک ایک چیز کو ذکر کیا جائے۔ پھر تو مضمون مضمون "اصطلاحات المحدثین" بن جائیگا۔

اگر مجہول الحال کہہ دیا جائے، پھر کوئی معترض اٹھے اور کہے کہ اسکی کونسی قسم ہے؟ تعیین کیوں نہیں کیا گیا، تو کیا یہ اعتراض بھی قابل التفات ہے؟؟

کیونکہ علامہ عبد الغنی البحراوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۷۴ھ) فرماتے ہیں: " لا یقبل مجہول الحال وھو علی اقسام ثلاثۃ "

قفو العینی فی ضبط أسماء رجال الصحیحین : ص : ۸) ۔ الخ
مجہول الحال کو (یعنی اسکی روایت کو) قبول نہیں کیا جائیگا ، اور اسکے (۱) تین أقسام ہیں ۔

کیا خیال ہے ؟ مجہول الحال " کہہ کر مزید اسکے (۲) اقسام ذکر کئے جائیں ، وگرنہ یہ چیز بھی ہمارے ملک میں قابل مؤاخذہ ٹھہریگی ، راقم ان تفصیلات کو ذکر کئے بغیر " مجہول " کہہ کر اسکی اقسام کا مسئلہ أہل علم کے سپرد کرتا ہے ۔ اب اگر یہ چیز قابل اعتراض ہے ۔ تو پھر بڑے بڑے أئمہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ ص ٤)

مجیب موصوف کے جواب کی پہلی شق کا جواب ملاحظہ ہو ۔

۱ ۔ انہوں نے صرف ذیل محدثین کرام کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے مجہول الحال یا مستور رواۃ کو مطلقاً مجہول کہا ہے ۔

۱ ۔ امام ابوحاتم الرازی
۲ ۔ امام عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی
۳ ۔ امام ابن معین
٤ ۔ امام مزی
۵ ۔ حافظ ذہبی

---

(۱) : درست " اسکی " عبارت ہے ۔
(۲) : " " ۔

٦- حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) (ص: ٤-٥-٦-٧)

محترم موصوف ان ناموں کو - مع امثلہ - ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اب کیا ان پر بھی قلم اٹھا کر انکار دکیا جائیگا ؟؟؟ اھ

اب کیا یہاں بھی "مجہول" کا اطلاق "مجہول العین" پر کیا جائیگا ؟؟

نہیں اور یقینا نہیں - بلکہ بعض اوقات ائمہ حدیث "مجہول" "معروف" کے مخالف استعمال کرتے ہیں ، جس راوی کا تعارف نہیں ہوتا اسے "مجہول" کہہ دیتے ہیں ، اسے انکی مراد "مجہول العین" نہیں ہوتی - جیسا کہ ان پانچ امثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے . اور یہی کسور (١) راقم کا بھی ہے !!.

حاصل تو قیر یہ ہے کہ یہاں راقم کی غلطی نہیں ، بلکہ شاہ صاحب حفظہ اللہ کو سہو ہوا ہے . وہ اہل محدثین کرام کی مکمل اصطلاح سے باخبر ہوں ، پھر اعتراض کرنے کی زحمت اٹھائیں . (ص: ٧-٨)

تو اسی پر سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ ناموں کی فہرست سے امام مزی ، حافظ ذہبی ، اور حافظ ابن حجر (رحمہم اللہ) کا نام خارج کر دیا جائے.

---

(١) درست لفظ "قصور" ہے.

کیونکہ امام مزی اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ ناقل ہیں۔ اور ناقل کے لئے ضروری نہیں کہ جس کا کلام نقل کردیا ہو اسکا بھی وہی موقف ہو، مزید ابن حجر رحمہ اللہ کے موقف کی آگے وضاحت آ رہی ہے۔

باقی امام ذہبی رحمہ اللہ کا "بعصین بن قطن" کو مجہول قرار دینا اپنی طرف سے نہیں، بلکہ انہوں نے "میزان الاعتدال" کے مقدمہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ جب وہ کسی راوی پر "مجہول" کا اطلاق کریں[1] تو اس سے مراد امام ابو حاتم کے ہاں وہ راوی مجہول ہے، یعنی "مجہول" کا حکم امام ابو حاتم کی طرف سے ہے، حافظ ذہبی کی طرف سے نہیں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"ثم اعلم أن كل من أقول فيه مجهول ولا أسنده إلى قائل فإن ذلك هو قول أبي حاتم فيه ...الخ" میزان الاعتدال، ترجمة "ابان بن حاتم الأملوكي" (۶/۱)

یعنی حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: "جس (راوی) کے بارے میں میں مجہول کہوں اور اسکی نسبت کسی کہنے والے کی طرف نہ کروں تو اس سے مراد ابو حاتم کا قول ہے۔"

قارئین کرام: معترض موصوف کا کلام مہیا کر دیا ہے تاکہ اس میں راقم الحروف کے متعلق یہ کہا کہ "اصول محدثین کرام کی مکمل اصطلاح سے با خبر ہوں پھر اعتراض کرنے کی زحمت اٹھائیں"۔

---

(1): اور کسی کی طرف اسکی نسبت نہ کریں۔

تو اب یہاں دوسروں پر محدثین کرام کی اصطلاحات سے بے صبری کا لیبل لگانے والے اپنے بھی گریبان جھانک کر دیکھیں کہ کہیں وہ خود تو اسی چیز کا شکار نہیں۔؟

لیکن میں محترم موصوف پر اسی لاعلمی کا لیبل نہیں لگاتا، جیسا کہ محترم موصوف نے راقم کے متعلق جذبات میں آکر کیا ہے۔

کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی انسان کامل یا خطاء سے معصوم نہیں، بڑے بڑے صلحاء، محدثین اور ائمہ کرام سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی،

بلکہ سلف وصالحین کے کلام میں یہ ملتا ہے کہ جو غلطی نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے۔ او کما قالوا.

لھذا غلطی نہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، کہیں نہ کہیں انسان ضرور غلطی کرتا ہے، تو اسی بناء پر کسی کی ذات کو مطعون کرنا مضمون صاحب طاعن بھی اسی طعن سے مطعون ہوئے، کیا شرعاً جائز ہے؟؟ بلکہ " المؤمن مرآۃ المؤمن کے " مصداق اپنے بھائی کی احسن انداز میں اصلاح کی جاتی ہے،

تو محترم موصوف نے جو طریقہ اختیار کیا ہے کیا یہ اصلاحی پہلو ہے یا کسی کو حقیر سمجھنا اور دکھانا مقصود ہے؟؟

لیکن اللہ تعالی انصاف پسند ہے اور انصاف کرنے والا ہے،

اسی جگہ ہی فیصلہ ہوگیا کہ جس چیز سے دوسروں کو جلد بازی، جذبات اور بے صبری میں مطعون کیا اسی سے زیادہ کا وہ خود شکار ہوکر رہ گئے، جسکی وضاحت آگے آرہی ہے۔ إن شاء اللہ العزیز.

مزید یہ کسی کی غلطی کی وجہ سے اسکی ذات کو مطعون کرنا یقیناً یہ اہل علم کا شیوہ نہیں۔ بلکہ ان کا دل دریا کی طرح وسیع ہوتا ہے۔ اگر ان پر نقد کیا جاتا ہے تو وہ جذبات اور جلد بازی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے کسی غلطی کی وجہ سے اسکی ذات کو مطعون نہیں ٹھہراتے، بلکہ دلائل سے اسی غلطی کا رد کرتے ہیں۔

اور میں نے جو بھی محترم موصوف کے مقالہ پر نقد کیا ہے کسی بھی جگہ پر ان شاء اللہ العزیز قارئین کرام کو محترم موصوف کی ذات کو کم علمی، دبے ضرری جیسے کلمات سے ہدف تنقید نہیں کیا، بلکہ اصلاحی پہلو میں دلائل سے گفتگو کی ہے۔ والحمد للہ۔

کیونکہ میرا مقصد اصلاح تھی نہ محض تنقید برائے تنقید، تو جب میری تنقید محض تنقید نہیں بلکہ تنقید برائے اصلاح تھی تو محترم موصوف کو جذبات میں آنے کے کوئی اسباب ودواعی تھے جو وہ ذاتیات پر اتر آئے۔ میں یہ کہتا رہتا ہوں کہ جس کے پاس دلائل ختم ہوجاتے ہیں وہ ہی ذاتیات پر بولنا شروع کر دیتا ہے، اور یہ اسکی شکست کے لئے کافی ہے۔

اپنی غلط اور کا میابی اسی میں نہ سمجھیں، [illegible] آئندہ بھی محترم موصوف یہی انداز اختیار کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ۔

لیکن میں نے اس انداز کی آگاہی کر دی ہے کہ اسکا مطلب کیا ہے؟ بہرحال اب میں اپنی اصل بحث کی طرف آتا ہوں جس کی وجہ سے راقم اٹھانے قلم اٹھانے پر مجبور ہوا!

جس تو گفتگو ہو رہی تھی مجہول راوی کی کہ محترم موصوف نے چھ محدثین کرام کے نام ذکر کئے تھے جن میں سے تین کے نام (امام مزی، حافظ ذہبی، ابن حجر رحمہم اللہ) نکل گئے باقی تین أئمہ کرام یعنی

۱۔ امام ابو حاتم رازی

۲۔ انکے فرزند جلیل عبد الرحمن رازی

۳۔ امام ابن معین

٤۔ بلکہ چوتھے مسلمة بن قاسم بھی ہیں۔

تو یہ وہ ائمہ کرام ہیں جنہوں نے "مجہول الحال" یا مستور" رواۃ کو مطلقاً "مجہول" کہا ہے۔

مجہول راوی پر تفصیلی بحث

قارئین کرام محترم موصوف نے راقم سے متعلق لکھا کہ انکو یہ اعتراض کرنے میں سہو ہوا ہے، اور محدثین کرام کی اصطلاحات سے مکمل بے خبری کا نتیجہ ہے، تو آئیے، ہم اسکا جائزہ لیتے ہیں کہ مذکورہ قول میں کتنی صداقت ہے۔

لیکن اس سے قبل میں قارئین کرام کو اس بات کی تنبیہ کردیتا ہوں کہ میں نے "مجہول راوی" سے متعلق جو اپنے مقالہ میں لکھا تھا اسمیں ایک لفظ سبقت قلم کی وجہ سے رہ گیا ہے، اور وہ عبارت یہ ہے،

"کسی راوی پر "مجہول" کا لفظ اطلاق کرنے سے "مجہول العین" مراد ہوتا ہے"

تو اس عبارت میں لفظ "عموماً" رہ گیا ہے، یعنی درست عبارت اس طرح ہے "

کسی راوی پر "مجہول" کا لفظ اطلاق کرنے سے عموماً "مجہول العین" مراد ہوتا ہے"۔

لھذا اسکی تصحیح کردی جائے۔

قارئین کرام !

معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین کرام کی

اصطلاحات معروفہ اور اصطلاحات غیر معروفہ کے درمیان فرق کا لحاظ کیا جاتا ہے

اسی اعتبار سے ذیل بحث پر غور کیا جائے۔

★ اصطلاحات المحدثین الکرام کے مابین فرق ★

ائمہ کرام و محدثین عظام کی اصطلاحات کے مابین فرق کرنا ضروری ہے، اور ائمہ کرام نے فرق کیا بھی ہے.

کیونکہ اصطلاحات معروفہ کو چھوڑ کر اصطلاحات غیر معروفہ کو استعمال کرنا مناسب نہیں،

اور میں سمجھتا ہوں محترم موصوف کو بھی اس سے انکار نہیں.

مسائل ۲ کے ان اصطلاحات کے استعمال میں فرق پر کلام سے واضح ہوگا ان شاء اللہ العزیز.

اور اگر انکار کریں گے تو اس کے نتائج بھی قارئین کرام کے سامنے واضح ہو جائیں گے. ذیل میں میں بعض اصطلاحات ذکر کرنے پر اکتفاء کر رہا ہوں، جس سے واضح ہو کہ ائمہ کرام کی اصطلاحات کے مابین فرق کرنا ضروری ہے اور انہوں نے فرق کیا بھی ہے. تو جب ان کے مابین فرق کرنے سے مفر نہیں تو "مجمل" کی اصطلاح سے مفر کیوں ہے؟

١۔ ★ التدلیس و الارسال الخفی ★

محدثین کرام کی ایک جماعت ان کے مابین فرق نہیں کرتی، بلکہ وہ ارسال خفی کو تدلیس اور تدلیس کو ارسال خفی کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں.

امام احمد کے بیٹے عبد اللہ فرماتے ہیں: "قال أبي: ما سمع سفیان

الثوری من أبی عروة غیر هذا الحدیث - یعنی: حدیث الوضوء مما مست النار - والباقی یرسلها عنه -

یعنی امام احمد رحمه الله فرماتے ہیں کہ: سفیان ثوری نے ابو عروہ سے حدیث الوضوء مما مست النار سنا ہے سوا کچھ نہیں سنا - بلکہ باقی (روایات) اس سے مرسل بیان کرتا ہے، (العلل و معرفة الرجال) بحوالہ "المرسل الخفی"

دیکھیں امام احمد رحمہ الله سفیان ثوری کے اس فعل کو مرسل (خفی) قرار دے رہے ہیں، حالانکہ معروف اصطلاح میں امام ثوری کا یہ فعل تدلیس ہے نہ کہ ارسال (خفی) -

کیونکہ تدلیس (اصطلاحی) میں راوی کا مروی عنہ سے سماع ضرور ہوتا ہے، مگر ارسال (خفی) میں راوی کا مروی عنہ سے مطلقا سماع ہوتا ہی نہیں - بلکہ اسکی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہوتی ہے یا کم از کم زمانہ پایا ہوتا ہے، مگر سماع نہیں ہوتا -

اور یہاں امام احمد رحمہ الله صراحت کر رہے ہیں کہ سفیان ثوری کا ابو عروہ سے سماع ثابت ہے - لهذا معروف اصطلاح میں سفیان ثوری کا یہ فعل تدلیس ہے نہ کہ مرسل (خفی).

یہ مثال تھی ارسال (خفی) کو تدلیس سے تعبیر کرنے کی - اب ملاحظہ فرمائیں تدلیس کو ارسال (خفی) سے تعبیر کرنے کی.

قال الامام احمد: لم یسمع سعید بن أبی عروبة من الحکم ولا من حماد ولا من عمرو بن دینار ولا من هشام بن عروة، ولا من زید بن أسلم، ولا من اسماعیل بن أبی خالد، ولا من عبید بن عمر، ولا من أبی بشر، ولا من أبی الزناد.

وقد حدث عن هؤلاء علی التدلیس، ولم یسمع منهم.

دیکھیں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں سعید بن أبی عروبة کا مذکورہ رواۃ سے سماع کا انکار کیا ہے کہ ان سے اسکا سماع نہیں،
مگر پھر فرما رہے ہیں کہ اس نے ان شیوخ سے تدلیسا حدیث بیان کی ہے،
حالانکہ معروف اصطلاح میں سعید بن ابی عروبة کا یہ عمل مرسل (خفی) سے تعبیر کیا جائیگا نہ کہ تدلیس (اصطلاحی) سے۔

اسی قسم کے أقوال درج ذیل أئمہ کرام سے بھی منقول ہیں

١- امام یحیي بن معین

٢- امام بخاری

٣- امام ابوداود

٤- امام عباس بن عبد العظیم العنبری

٥- امام خلف بن سالم۔

٦- امام ابو زرعة الرازی

٧- امام ابو حاتم الرازی

٨- الامام العجلی۔

٩- الامام الفسوی

١٠- امام ابو جعفر احمد بن اسماعیل النحاس

١١- امام ابن حبان.

١٢- امام ابن عدی الجرجانی

١٣- امام ابو یعلی الخلیلی ۔ رحمہم اللہ جمیعا ۔

ملاحظہ ہو "المرسل الخفی ... الخ للشیخ المحدث حاتم الشریف العونی
حفظہ اللہ (١/٤٣-٥٧)

اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کرام کے ہاں تدلیس کی اصطلاح وسیع تھی
جو تدلیس اصطلاحی اور ارسال خفی دونوں اس میں شامل تھے،
مگر بعد میں آنے والے محدثین کرام نے اس وسعت کو تخصص میں تبدیل
کر دیا، اور تدلیس میں سماع کی شرط مفقود کر دی، تو اس
طرح یہ الگ دو مستقل قسمیں بن گئیں ۔

اب معروف اصطلاح میں مدلس اسکو کہا جاتا ہے جس
(راوی) کا مروی عنہ سے کبھی نہ کبھی سماع ضرور ہو ۔
اسی وجہ سے اب علماء کرام ارسال (خفی) سے متصف راوی کو مدلس نہیں
قرار دیتے اور نہ ہی اسے مدلسین میں شمار کرتے ہیں ۔ اور اگر کسی نے ایسے
راوی کو مدلسین میں شمار کیا بھی ہے تو اسکی تنبیہ کر دی جاتی ہے، اور
اس قسم کے رواۃ کو "بریئ من التدلیس" قرار دیا جاتا ہے ۔
مثال کے طور پر محدث العصر شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
نے اپنی کتاب "الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین" میں ارسال
(خفی) سے موصوف رواۃ کو "بریء من التدلیس" قرار دیا ہے ۔
مثلا

١- الحسین بن واقد المروزی (ص: ٢٤)

٢- عبد اللہ بن زید الجرمی، ابو قلابہ (ص: ٣١)

۳- ابو مجلز لاحق بن حمید البصری (ص: ٤٧)

٤- جبیر بن نفیر. (ص: ٥٥)

٥- خالد بن معدان الشامی. (ص: ٦٢)

٦- سالم بن أبی الجعد الکوفی. (ص: ٦٤)

٧- مکحول الشامی. (ص: ١٢٧)

٨- ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعود. (ص: ١٣٥)

وغیرہم۔

۲ وہ رواۃ جن میں پر ارسال (خفی) کا الزام ہے۔ اور پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ محدثین کرام تدلیس کو ارسال (خفی) کے معنی اور ارسال (خفی) کو تدلیس کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے انکو "بریء من التدلیس" قرار دیدیا۔

اسی بناء پر میں محترم موصوف کو بڑی جرأت کے ساتھ یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے شیخ مکرم ومحترم رحمہ اللہ پر بھی وہ "محدثین کرام کی اصطلاحات سے لاعلمی" والا لیبل لگائیں کہ وہ بھی محدثین کرام رحمہم اللہ کی اصطلاحات سے بے خبر ہیں۔ انصاف کا تو تقاضہ یہی ہے۔

اور ان پر بھی یہی اعتراض کھلے دل سے کریں کہ محدثین کرام

نے جب ارسال (خفی) سے موصوف راوی کو "مدلس" کہا ہے تو شیخ صاحب رحمہ اللہ کیوں انکو "بری من التدلیس" قرار دیتے ہیں؟؟؟

لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ ان اصطلاحات سے حتما بالکل واقف ہیں۔ اور ان شاء اللہ العزیز اپنے اسی فیصلے میں صائب ہیں، کہ انکو "بری من التدلیس" قرار دیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تدلیس ( ) کی معروف اصطلاح ان پر منطبق نہیں آتی۔ اسی لئے معروف اصطلاح کو مد نظر رکھتے ہوئے اسکو ترجیح دی اور اسی بناء پر انہوں نے انکو "بری من التدلیس" قرار دیدیا۔ اور آج تک ۔ فیما اعلم ۔ انکے اس طرز پر کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ شیخ صاحب رحمہ اللہ غلط ہیں، کیونکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ تدلیس ( ) کی معروف اصطلاح ان پر منطبق نہیں آتی، اسی لئے شیخ صاحب رحمہ اللہ کا یہ طرز بالکل درست ہے، لھذا اسی بناء پر میں محترم موصوف سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر اسی منہج کے اعتبار سے اگر ( ) "مجہول" کی اصطلاح کے حوالے سے میں غلط ہوں اور میرا اعتراض قابل توجہ نہیں اور میں محدثین کرام کی اصطلاحات سے ناواقف ہوں، تو یہی الزام شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ پر بھی صادق آتا ہے۔ جیسا پہلے گذرا ۔ الزام دونوں ( ) کا اعتراض مشترک ہے۔

اگر محترم موصوف شیخ صاحب رحمہ اللہ کے اس فیصلے کو درست سمجھتے ہیں ۔ اور یقینا درست سمجھتے ہونگے ۔ تو پھر میرا اعتراض غلط کیوں؟ اور مجھ پر محدثین کرام کی اصطلاحات سے لاعلمی اور بے خبری کا الزام کیوں؟؟؟

تلك اذاً قسمة ضيزىٰ۔

میرا اعتراض بھی یہی تھا کہ "مجہول" کے اطلاق سے (اغلباً) مجہول العین مراد ہوتا ہے، گویا یہ معروف اصطلاح ہے، کہ معروف اصطلاح میں "مجہول العین" راوی کو مطلقاً "مجہول" کہا جاتا ہے۔

مختصراً اصطلاحات معروفہ اور اصطلاحات غیر معروفہ کے درمیان فرق ضروری ہے اور ائمہ کرام نے ان باتوں کو ملحوظ بھی رکھا ہے،

١- قال تقي الدين السبكي في "شفاء السقام في زيارة خير الأنام":

اما قول أبي حاتم الرازي فيه - اي في موسى بن هلال -: انه مجهول، فلا يضره. فإنه اما ان يريد به جهالة العين او جهالة الوصف.

فإن أراد جهالة العين - وهو غالب اصطلاح اهل الشان في هذا الاطلاق - فذلك مرتفع عنه ..... الخ. (الرفع والتكميل ص: ١٠٦-١٠٧)

ملاحظہ فرمائیں کہ امام ابو حاتم رازی نے جب موسیٰ بن ہلال کو مطلقاً مجہول کہا تو اس پر امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں کہ اس سے اگر وہ "جہالۃ العین" مراد لیتے ہیں تو یہ اس فن (اصول الحدیث) والوں کی غالب اصطلاح بطور اطلاق یہی ہے ... الخ.)

گویا ائمہ کرام و محدثین کرام اکثر طور پر "مجہول" کے اطلاق سے "مجہول العین" مراد لیتے ہیں، تو غالب اور معروف اصطلاح کو چھوڑ کر غیر معروف اصطلاح کا استعمال کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔

جس وقت معروف اصطلاح کا وجود نہیں تھا اس وقت کے استعمال کرنے والوں پر کوئی حرج نہیں، لیکن جب .. اب تک نئی

اصطلاح طلاب علم کے لئے متعارف ہوگئی تو اسکا لحاظ قابل ضروری ہے۔

امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول سے یہ بھی واضح ہوا کہ وہ اسی اصطلاح کو محدثین کرام کی معروف اصطلاح باور کروا رہے ہیں کہ انہوں نے الملاقات میں اصطلاح شروع کردی تھی۔ گویا محدثین کرام کا عمل اسی اصطلاح پر منحصر لیا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں « قلت : والمجهول الذي لم يرو عنه إلا واحد هو المعروف بمجهول العين ... الإتمام المنة ص : ١٩)
دیکھیں علامہ البانی رحمہ اللہ بھی یہی باور کروارہے ہیں کہ مجہول کے اطلاق سے "مجہول العین" معروف ہے۔

ویسے عرف بھی اصول فقہ کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، جسکا مطلب بھی یہی ہے کہ عام طور پر کوئی لفظ کسی معنیٰ میں معروف ومشہور ہو مگر دوسرے معانی میں بھی وہ مستعمل ہو، لیکن اطلاق سے وہ معروف معنیٰ ہی مراد ہوتا ہے، الا کہ کوئی خارجی قرائن وغیرہ آجائیں جو اسکے معروف معنیٰ سے اسکو ہٹا دیں۔
لھذا اب جب "مجہول" عرف میں (یعنی معروف معنیٰ میں) اطلاقاً "مجہول العین" مراد ہوتا ہے تو اسکے استعمال سے عرفاً "مجہول العین" مراد لیا جائیگا نہ کہ کوئی اور۔
اور مخالفین نے جب عرف کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے "مجہول" کا اطلاق

کیا لئے عرضاً امی سے "مجہول العین" ھی مراد ہوتا ہے کہ کچھ اوپر
لھذا الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے میرا اعتراض اصول حدیث
اور اصول فقہ کے مطابق بالکل درست ثابت ہوگیا، و الحمد للہ
علیٰ ذالک۔

باقی رہے ابن حجر رحمہ اللہ تو انھوں نے "تقریب" میں باقاعدہ
"مجہول العین" اور "مجہول الحال" دونوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے،
اور "مجہول العین" کو مطلقاً "مجہول" قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں: . السابعۃ: من روی عنہ اکثر من واحد ولم
یوثق، والیہ الاشارۃ بلفظ "مستور" او مجہول الحال۔ اھ.

یعنی "مجہول الحال" اور "مستور" راوی کے بارے میں اصطلاح۔
اور "مجہول العین" کے متعلق فرماتے ہیں:۔

التاسعۃ: من لم یرو عنہ غیر واحد ولم یوثق والیہ الاشارۃ
بلفظ "مجہول". ص: ۳)

یعنی "مجہول" کے اطلاق سے ابن حجر کے نزدیک بھی "مجہول
العین" مراد ہے، یعنی جس سے ایک سے زائد روایت کرنے والے نہ ہوں
اور نہ ہی اسکی توثیق کی گئی ہو۔

لھذا ابن حجر رحمہ کو بھی "ابو حاتم رازی" اور جو دوسرے ائمہ

کرام "مجہول" کی اصطلاح میں گنوا دیئے ان میں شامل سمجھنا درست نہیں ہے۔

محترم موصوف نے راقم کو محدثین کرام کی اصطلاحات سے لاعلمی کا طعنہ دیا تھا،

لیکن قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ یہ الزام کسی کی طرف جا رہا ہے۔

مگر میں اسکو بے علمی یا بے خبری، وغیرہ جیسے تعبیر نہیں کرتا، بلکہ اسکو محترم موصوف کی غلطیوں اور خطاؤں سے تعبیر کرتا ہوں، کیونکہ ایسا کسی کو بھی ہو۔

محترم موصوف فرماتے ہیں: بلکہ بعض اوقات ائمہ حدیث "مجہول" "معروف" کے خلاف استعمال کرتے ہیں، جس بھی راوی کا تعارف نہیں پاتے اسے مجہول کہہ دیتے ہیں۔ ان سے انکی مراد "مجہول العین" نہیں ہوتی (ص: ۷)

تو اس پر عرض ہے کہ یہاں یہ "قبل از اصطلاح معروف" کے تھا، مگر "بعد از اصطلاح معروف" اس سے "مجہول العین" ہی مراد ہوتا ہے جیسا کہ اوپر تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔

لہٰذا یہ بات بھی قابل نظر ہے۔

★ ضعیف اور ضعیف جداً پر بحث ★

مثال کے طور پر اگر کوئی راوی یا روایت شدید الضعف ہے، یعنی کذاب، متہم بالکذب، یا متروک راوی ہے، تو اسکو صرف "ضعیف" کہنا درست نہیں،

کیونکہ "ضعیف" کے اطلاق سے عموماً خفیف الضعف مراد ہوتا ہے، لھذا شدید الضعف راوی کو محض مطلقاً "ضعیف" نہیں بلکہ یا تو "ضعیف جداً" یا اس کا ضعف شدید بیان کیا جائیگا۔

اسی طرح شدید الضعف روایت ہے، اس پر بھی اسی طرح کا حکم لگایا جائیگا۔ محض "ضعیف" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ورنہ اعتراض وارد ہو جائیگا۔

شاذ اور منکر

ائمہ متقدمین کے کلام کے ہاں "منکر" وسیع معنوں میں مستعمل تھا۔ وہ راوی کے تفرد پر "منکر" کا حکم لگا دیتے تھے۔ چاہے وہ تفرد مخالفت کی صورت میں ہو یا مخالفت کی صورت میں نہ ہو، یعنی محض تفرد ہو۔

یا وہ تفرد ثقات کی مخالفت میں ہو یا ضعفاء کی، یعنی ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کر رہا ہو یا ثقہ راوی ثقات کی، بہرصورت وہ اس تفرد کو "منکر" سے تعبیر کرتے تھے، ان کے ہاں کسی قسم کی کوئی قید نہیں تھی، گویا وہ "منکر" کو وسیع تر معانی میں

استعمال کرتے تھے، مگر اکثر متاخرین نے اس وسعت کی تخصیص کرتے ہوئے- ثقات کی مخالفت اور ضعفاء کی مخالفت میں فرق کرتے ہوئے اس تفرد کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا،

یعنی:

1 شاذ.

2 منکر.

ثقہ راوی اگر اوثق یا ثقات کی مخالفت کرے تو اسکو "شاذ" سے تعبیر کرتے ہیں،

اور اگر ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرتا ہے تو اسکو "منکر" سے تعبیر کرتے ہیں.

اور اب یہی اصطلاحات معروفہ " بن چکی ہیں. یہ ان محدثین کرام رحمہم اللہ کی ہم جیسے صغار طلاب علم پر مہربانیاں ہیں کہ ہمارے لئے ان اصطلاحات کو سمجھنے کے لئے آسان سے آسان تر کرتے چلے گئے. جن کا حق ہم کبھی ادا نہیں کر سکتے.

اللھم احشرنا فی زمرتھم. اللھم آمین.

بہرحال یہ چند اصطلاحات میں نے ذکر کی ہیں. جن کا مقصد اصطلاحات معروفہ اور اصطلاحات غیر معروفہ کے درمیان فرق کو واضح کرنا مقصود ہے،

جن کو میں نے " اصول الحدیث " اور " اصول فقہ " کے اعتبار

واضح کر دیا ہے، والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

تنبیہ :- سابقہ صفحات میں یہ گذر چکا ہے کہ محترم موصوف نے کہا کہ "بلکہ بعض اوقات ائمہ حدیث "مجہول" "معروف" کے مخالف استعمال کرتے ہیں، جس بھی راوی کا تعارف نہیں پاتے اسے "مجہول" کہہ دیتے ہیں، الخ انکی مراد "مجہول العین" نہیں ہوتی" (ایضاً)

تو اسکا ایک جواب تو پہلے گذر چکا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ محترم موصوف کو اس قاعدے کے ہوتے ہوئے بھی "احمد بن مسعود زنبری" کو "مجہول" نہیں کہنا چاہئے تھا، کیونکہ انکے حالات بھی معروف ہیں یعنی حافظ ذہبی نے انکو محدث، کثیر الرحلۃ، رحال، جیسے اوصاف سے متصف کیا ہے۔ (1)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ انکے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے ہی انکو "محدث" قرار دے رہے (اور آگے معلوم ہوگا کہ "محدث" کون ہوتا ہے) اور علم حدیث کے حصول کے لئے اسفار کرنے کا بھی کہہ رہے ہیں۔ "رحال" یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جو کثرت اسفار پر دلالت کرتا ہے، جب محترم نے خود اقرار کیا ہے کہ جس کے حالات معلوم نہ ہوں تو انکو بھی "مجہول" کہہ دیتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جس کے حالات معلوم ہوں وہ معروف ہوگا نہ کہ مجہول (2)

اب جب احمد بن مسعود زنبری کے حالات اتنے واضح ہیں کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ انکو "محدث" قرار دے رہے ہیں

---

(1) یہ الفاظ توثیق کے ہیں۔ وضاحت آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز
(2) اگرچہ عدالت مجہول ہی کیوں نہ ہو۔

جو کہ ایک بہت بڑا وصف ہے۔ مگر ہمارے محترم موصوف کے نزدیک اپنی رائے کے مطابق وہ ابھی "مجہول" کی حد سے نہیں نکلتا، اور "محدث" جیسے بڑے الفاظ ابھی تک اسکے حالات کے معلوم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

مختصراً، محترم موصوف کے بقول بھی، احمد بن محمود زنبوری پر "مجہول" کا اطلاق درست نہیں۔

موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں: "میں نے مجہول الحال یا مستور کے تعیین کے بغیر محض "مجہول" پر اکتفا کیوں کیا ہے؟

عرض یہ ہے کہ بطور اختصار کے، کیونکہ اگر یہ چیزیں بھی مفصل ذکر کی جائیں اور ایک ایک چیز کو ذکر کیا جائے۔ پھر تو مضمون محض "اصطلاحات المحدثین" بن جائیگا۔

اگر مجہول الحال کہہ دیا جائے، پھر کوئی معترض اٹھے اور کہے کہ اس کی کونسی قسم ہے؟ تعیین کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا یہ اعتراض بھی قابل التفات ہے؟

کیونکہ علامہ عبد الغنی بن احمد البحرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۷۴ھ) فرماتے ہیں:۔

لا يقبل مجهول الحال، وهو على أقسام ثلاثة.

قرۃ العین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین۔ ص: ۸)۔۔الخ

مجہول الحال کو (یعنی اسکی روایت کو) قبول نہیں کیا جائیگا، اسکی (۱)

---

(۱) درست "اسکی" ہے۔

نیچی اقسام ہیں، اھ.

کیا خیال ہے، "مجہول الحال" کہہ کر مزید اسکے[1] اقسام ذکر کئے جائیں، ورنہ یہ چیز ہمارے ملک میں قابل مؤاخذہ ٹھہریگی؟ راقم ان تفصیلات کو ذکر کئے بغیر "مجہول" کہہ کر اسکی اقسام کا مسئلہ اہل علم سے سپرد کرتا ہے۔ اب اگر یہ چیزیں قابل اعتراض ہیں[2] پھر تو بڑے بڑے ائمہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے... (ص: ٤)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہر اعتراض قابل توجہ نہیں ہوتا، بلکہ جو واقعی اعتراض ہو اور اصولوں کے مطابق ہو ورنہ جو اعتراض قابل توجہ نہیں اسکی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ اصطلاحات محدثین کرام کی ہیں، انہوں نے جس طرح انکو استعمال کیا ہے ہمیں اسی طرح انکو استعمال کرنا ہے، اپنی سوچ سمجھ کے مطابق نہیں۔

محترم موصوف فرماتے ہیں کہ انہوں نے بطور اختصار کے "مجہول" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

تو اب دیکھا جائیگا کہ کیا ہمارے لئے اسی طرح اصطلاحات میں اختصار کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟؟۔

تو اسی پر معروض ہے کہ اسکی گنجائش نہیں، کیونکہ ہم اوپر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ اسی اختصار (مجہول کا اطلاق) کی محدثین کرام کے نزدیک کیا اصطلاح ہے۔ اس سے وہ کیا مراد لیتے ہیں؟

(۱) اسکی۔
(۲) درست "ہیں" ہے۔

لہذا ہمیں انکی اصطلاحات کو مد نظر رکھنا ہے نہ کہ اپنے ذہن کے مطابق انہیں استعمال کرنا ہے۔

اور رہی اختصار کے حوالے سے انکی یہ بات بھی قابل التفات نہیں، اور انکا یہ کہنا کہ "اگر ایک ایک چیز کو ذکر کیا جائے تو بھی تو مضمون محض اصطلاحات المحدثین بن جائیگا"...الخ

تو یہ بھی بڑا عجیب تر ہے، کیا محدثین کرام کی اصطلاحات سے مضمون کی کوئی گنجائش ہے؟ مزید "مجہول" کا لفظ کتنے میں مضمون "اصطلاحات المحدثین" نظر نہیں آیا۔ باقی اسکے ساتھ "الحال" کا لفظ لگانے میں محض "اصطلاحات المحدثین" نظر آگیا۔ اور مضمون اسی لفظ کے ساتھ "اصطلاحات المحدثین بن جائیگا۔"

افسوس ہوتا ہے اس جیسی سطحی باتیں دیکھ کر۔
باقی اگر کوئی معترض اعتراض اٹھاتا ہے تو دیکھا جائیگا کہ اسکا اعتراض درست ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسکے اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس میں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

علامہ بیہقی کی جو مثال دی ہے وہ قطعاً انکی دلیل نہیں بنتی کیونکہ انہوں نے باقاعدہ اصطلاحات المحدثین بیان کی ہیں اور اسی پر بحث کی ہے۔

مگر محترم موصوف نے ایک راوی پر حکم لگایا ہے یہ زمین و آسمان کا فرق انہیں نظر نہیں آیا ہے؟

بہرحال محترم موصوف کی یہ باتیں قطعاً درست نہیں۔ اصولوں کے تحت بات کی جائے۔

محترم موصوف "مجہول الحال" یا "مستور" راوی کو "مجہول الحال یا "مستور" لکھیں، پھر دیکھتے ہیں کون ہے جو اعتراض کرتا ہے؟ اور اسطرح اعتراض کرنے والا یقیناً "اصطلاحات المحدثین" سے ناواقف ہوگا۔

کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ "مجہول الحال" یا "مستور" وہ راوی ہے جس سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے ہوں اور اسکی توثیق نہیں کی گئی ہو۔

لهذا "اصطلاحات المحدثین" سے واقفیت رکھنے والا قطعاً اعتراض نہیں کریگا بلکہ وہ اسی سے باآسانی سمجھ لیگا کہ راوی موثق نہیں ہے۔ بس۔

باقی محترم موصوف کا یہ کہنا کہ "ورنہ یہ چیز بھی ہمارے ملک میں قابل مؤاخذہ ٹھہر گئی"!

تو یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انکا اس سے کیا مقصد ہے؟ اگر وضاحت کرتے تو بفضل اللہ تعالیٰ وکرمہ اسکا بھی ہم جواب دے دیتے، لهذا ہم معذور ہیں۔

مزید یہ جو فرمایا کہ "پھر ان تفصیلات کو ذکر کئے بغیر" مجہول" کہہ کر اسکو آگے بڑھنا تو مسئلہ اہل علم سے پردہ کرنا ہے... الخ۔

تو اسکا جواب بحمد اللہ سبحانہ سابقہ سطروں میں تفصیلاً

گئے، چنانچہ کہ محدثین کرام کے نزدیک اختصار کے ساتھ "مجہول" سے مراد "مجہول العین" ہے، لہذا اپنی سوچ کے مطابق اصطلاح کو کو بیان کرنا درست نہیں۔

جس طرح ضعف شدید سے موصوف راوی کو اختصار کے ساتھ محض "ضعیف" پر اکتفاء کرنا درست نہیں۔ اسی طرح "مجہول الحال" یا "مستور" راوی پر اختصار کے ساتھ "مجہول" کا حکم لگانا درست نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اب آتے ہیں "احمد بن مسعود زنبری" کی توثیق کی طرف کہ جرح وتعدیل میں اسکی کیا حیثیت ہے؟

محترم موصوف "فائدہ" میں فرماتے ہیں:۔

احمد بن مسعود کی توثیق کے متعلق شاہ صاحب حفظہ اللہ کی مذکورہ عبارت بھی قابل تعجب ہے، فرماتے ہیں:۔

بلکہ انکو انکی توثیق نظر نہیں آئی تو کم از کم انہوں نے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب "سیر أعلام النبلاء" اور "تاریخ الاسلام" کو ضرور مد نظر رکھا ہوتا (1) (ص: ۸)

---

(1) میرے الفاظ "مد نظر رکھا ہوتا" ہیں نہ کہ جو محترم موصوف نے بیان کئے ہیں۔

مزید آپ فرماتے ہیں: "اب بتایا جائے کہ "سیر" و "تاریخ" کی دونوں کتب کی وہ کون سی عبارت ہے جس سے اتنی بڑی توثیق اخذ کی جا رہی ہے کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ "کم از کم "سیر" و "تاریخ" کو مد نظر رکھا ہوتا"۔

یاد رہے کہ ان دونوں کتب میں تو کوئی توثیق نہیں ہے۔ ہاں شاید معترض نے لفظ "المحدث" اور "له رحلة وفهم" کو توثیق سمجھ لیا ہو! کہ جس طرح انہوں نے (ص-۴۰) پر بر چند دیگر متاخرین اہل علم کے اقوال و افکار بھی نقل کئے ہیں۔

تو عرض یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ کو اصول حدیث کی کون سی کتاب نے مطلقاً توثیق قرار دیا ہے؟ اگر توثیق قرار دیا ہے تو ان کو "ثقات" کے کون سے طبقے میں رکھا ہے؟؟

ہاں! یہ بات الگ ہے کہ ان سے توثیق کشید کی جائے! جبکہ راقم نے جو کہا ہے کہ مجھے اس کی توثیق نہیں ملی تو اس کا مقصد یہ ہے کہ متقدمین میں سے کسی کا "ثقة" "صدوق" وغیرہ کہنا مجھے نہیں ملا، جو کہ معترض کو بھی قبول ہے، کیونکہ وہ متقدمین سے کوئی واضح توثیق پاتے تو ضرور لاتے۔ (ص: ۹)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ محترم موصوف کے متعلق میں نے جو یہ کہا کہ (("بلکہ انکو اگر توثیق نظر نہیں آئی تو کم از کم انہوں نے "سیر" اور "تاریخ" کو ضرور مد نظر رکھا ہوگا")) تو اس سے میرا مقصد وہ نہیں تھا جو محترم موصوف نے سمجھا ہے۔

میں نے "احمد بن مسعود زنبرانی کی توثیق کے رد" میں کہا تھا، کیونکہ وہ تو بالکل واضح ہے کہ انکے نزدیک "المحدث" "له رحلة" کے الفاظ توثیق پر دلالت نہیں کرتے۔ اسی لئے تو انکو انہوں نے مجہول کہا۔

بلکہ میں نے تو انکے متعلق یہ کہا تھا کہ انہوں نے حافظ ذھبی رحمہ اللہ کی "السیر" اور "تاریخ الاسلام" کو ضرور مد نظر رکھا ہوگا، اگر "المحدث" "له رحلة" کے الفاظ انکے نزدیک توثیق میں سے نہیں تو ٹھیک ہے، لیکن وہ "مجھول" کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ اس سے روایت کرنے والی ایک جماعت ہے،

تو جب ان دونوں کتب میں اس سے روایت کرنے والی ایک جماعت ہے۔ تو اس جماعت کو تو ضرور دیکھا ہوگا، تو جس سے ایک جماعت روایت کرنے والی ہو وہ "مجھول" کیسے ہو سکتا ہے؟

تو گویا میرا اعتراض انکے اس کو "مجھول" کہنے پر تھا نہ کہ اسکی توثیق پر۔

لھذا محترم موصوف دوسروں کی تحاریر کو اچھی طرح پڑھ کر پھر کوئی رائے قائم کریں تو بہتر رہیگا۔

دوسری بات یہ کہ انہوں نے جو یہ فرمایا کہ "مجھے اسکی توثیق نہیں ملی" تو اسکا مقصد یہ ہے کہ "متقدمین سے کسی کا ثقہ، صدوق وغیرہ کہنا مجھے نہیں ملا"۔

تو اس پر عرض ہے کہ کسی راوی کی توثیق کے لئے ائمہ متقدمین سے منقول ہونا ضروری ہے کیا؟، کیا ائمہ متاخرین کی توثیق قبول نہیں؟ یہ شرط کس نے عائد کی ہے کہ توثیق ائمہ متقدمین کی ہی مقبول ہوگی؟، متاخرین کی نہیں؟؟

دراصل یہ شرط قطعا کسی بھی صورت قبول نہیں ہے جن کے قول پر جرح وتعدیل کے ائمہ نے اعتماد کیا گیا ہے یا جس کو اس فن کا اصل قرار دیا گیا ہے

اسکی بات پر اعتماد کیا جائیگا، چاہے متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے ۔

میں نے جیسی امام سے "احمد بن مسعود زبیری" کے متعلق آراء نقل کی ہیں[1] حقیقت یہ ہے کہ اگر جرح و تعدیل کے باب میں اسکا حکم قبول نہیں، اس پر اعتماد نہیں تو پھر کس کا حکم مقبول ہوگا؟ کس کی آراء پر اعتماد کیا جائیگا؟۔

محترم موصوف یہ بات لکھنے سے قبل اگر اکابر ائمہ کرام و محدثین عظام رحمھم اللہ کی اس جیسے عظیم امام، جرح و تعدیل کے ماہر و نقاد، علم الرجال میں مہارت تامہ رکھنے والے کے متعلق آراء کو ملحوظ رکھتا بہتر تھا تو اس طرح نہ فرماتے۔

امام تاج الدین السبکی تلمیذ الحافظ الذہبی "الطبقات الکبری" میں فرماتے ہیں:

"شیخنا و استاذنا محدث العصر، اشتمل عصرنا علی اربعة من الحفاظ وبینهم عموم وخصوص: المزی، والبرزالی والذهبی والشیخ الوالد لا خامس لهم فی عصرهم. فاما استاذنا ابو عبد الله[2] فبصر لا نظیر له وکنز هو الملجا اذا نزلت المعضلة امام الوجود حفظا وذهب العصر معنی ولفظا وشیخ الجرح والتعدیل ورجل الرجال فی

---

(1) اگر وہ الفاظ ان کے لئے ثابت ہوجائیں۔

(2) وهو الحافظ الذهبی۔

كل سبيل، كأنما جمعت الأمة في صعيد واحد فنظرها، ثم أخذ يخبر عنها أخبار من حضرها، وكان محط رحال تغيبت ومنتهى رغبات من تغيبت. تحمل المطي إلى جواره وتضرب البزل المهاري أكبادها فلا تبرح أو تبيد نحو داره. وهو الذي خرجنا في صنعة الصناعة، وأدخلنا في عداد الجماعة، جزاه الله عنا أفضل الجزاء، وجعل حظه من عرصات الجنان موفر الأجزاء. وسعده بدر أطالعا في سماء العلوم يذعن له الكبير والصغير من الكتب والعالي والنازل من الأجزاء ..... سمع منه الجم الكثير. وما زال يخدم هذا الفن حتى رسخت فيه قدمه وتعب الليل والنهار وما تعب لسانه وقلمه وضربت باسمه الأمثال، وسار اسمه مسير لقبه الشمس إلا أنه لا يتقلص إذا انزل المطر ولا يدبر إذا أقبلت الليال." شذرات الذهب ٨٠/٦٤-٦٥-٢٦٦)

أما خليل بن أيبك الصفدي فرماه صبي :-

" الشيخ شمس الدين الذهبي محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الشيخ الإمام العلامة الحافظ شمس الدين أبو عبد الله الذهبي. حافظ لا يجارى ولا فظ لا يبارى، اتقن الحديث ورجاله، ونظر علله وأحواله وعرف تراجم الناس، وأزال الابهام في تواريخهم والالباس من ذهن يتوقد ذكاؤه ويصح نسبته وانتماؤه، جمع الكثير ونفع الجم الغفير، وأكثر من التصنيف، ووفر بالاختصار مؤنة

التطويل في التأليف، وتعقب الشيخ كمال الدين ابن الزملكاني رحمه الله على تاريخه الكبير المسمى "بتاريخ الإسلام" جزءا بعد جزء إلى أن أنهاه مطالعة. وقال: هذا كتاب علم. اجتمعت به وأخذت عنه وقرأت عليه كثيراً من تصانيفه ولم أجد عنده جمود المحدثين ولا كودنة النقلة. بل هو فقيه النظر ... الخ الوافي بالوفيات ٢/١٦٣)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

قرأت بخط البدر النابلسي في مشيخته كان علامة زمانه في الرجال وأحوالهم حديد الفهم ثاقب الذهن وشهرته تغني عن الإطناب فيه.

(الدرر الكامنة ٣/٤٢٧)

مزید "نزهة النظر شرح نخبة الفكر" میں جرح وتعدیل کے الفاظ اور اسکے مراتب پر کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"وينبغي أن لا يقبل الجرح والتعديل إلا من عدل متيقظ. فلا يقبل جرح من أفرط فيه. فجرح بما لا يقتضي ردّاً لحديث المحدث. كما لا يقبل تزكية من أخذ بمجرد الظاهر فأطلق التزكية. وقال الذهبي - وهو من أهل الاستقراء التام في نقد الرجال - ... الخ (   )

یہ چند اقوال مذکورہ محدثین کرام کے میں نے نقل کئے ہیں، مزید "سیر اعلام النبلاء" کی پہلی جلد کا مطالعہ کیا جائے۔

ان عبارات میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کو "شیخ الجرح والتعدیل" "اتقن الحدیث ورجاله. ونظر علله وأحواله وعرف تراجم الناس" وغیرہ جیسے القابات سے نوازا گیا۔

جن کا مقصد بالکل واضح ہے کہ انکو علم الرجال میں معارت تامہ حاصل حاصل تھی اور جرح وتعدیل میں بڑے امام ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہو کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی ایک کتاب "ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل" کے نام سے معروف ہے، جس میں انہوں نے ان محدثین کرام کو ذکر کیا ہے جن کے قول پر جرح و تعدیل کے باب میں اعتماد کیا جاتا ہے،

اگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی اپنی بات 'جرح وتعدیل کے باب میں حجت نہیں تو انکی اس کتاب کو کیسے معتمد سمجھا گیا؟ (۱)

علاوہ ازیں امام سخاوی رحمہ اللہ نے انکو اپنی کتاب "المتکلمون فی الرجال" (ص: ۱۳۰) چھبیسویں طبقہ میں ذکر کیا ہے۔

یعنی ان تمام ائمہ کرام و محدثین کرام رحمہم اللہ نے متفقہ طور پر امام ذہبی رحمہ اللہ کو علم الرجال اور جرح و تعدیل کا امام تسلیم کیا ہے، مگر محترم موصوف انکے قول پر جرح وتعدیل کے باب میں اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں۔

یہ تو حافظ ذہبی رحمہ اللہ ہیں۔ لیکن دوسرے آئمہ متقدمین ہوں یا متاخرین جن کے قول پر جرح و تعدیل کے باب میں اعتماد کیا جاتا ہو۔ تو انکی معرفت کے لئے حافظ ذہبی رحمہ اللہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ کی مذکورہ کتب کی طرف مراجعت کی جائے کہ جن سے معلوم

---

(۱) یعنی جن کو حافظ ذہبی نے معتمد علیہ کہا اگر وہ خود معتمد نہیں تو انہوں نے جن کو معتمد کہا اس کی بات پر کیسے اعتماد کیا گیا۔

ہوگا کہ اور کون کون سے محدثین کرام ہیں جن کو جرح و تعدیل کا امام تسلیم کیا گیا ہے؟۔

سابقہ سطور سے بحمد اللہ تعالیٰ و فضلہ یہ ثابت ہو گیا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ جرح و تعدیل کے باب میں بڑے نقاد و ماہر ہیں۔ اب میں یہ ثابت کروں گا کہ انکے الفاظ "احمد بن مسعود زنبری" کے متعلق توثیق پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں؟۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "احمد بن مسعود زنبری" کے متعلق فرمایا۔ جیسا پہلے گذرا۔ "المحدث، له رحلة وفهم، من الرحالة"۔

محترم موصوف ان الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں :۔

" یاد رہے ان دونوں کتب میں کوئی توثیق نہیں .... الخ۔"

تو اس پر عرض ہے کہ اتنی جلد بازی مناسب نہیں۔ محترم موصوف ان پر ذرا غور فرمالیتے اور کتب اصول حدیث کی مراجعت کر لیتے تو کسی حد تک انکو علم ہو جاتی۔

امام تاج الدین السبکی رحمہ اللہ اپنی کتاب "معید النعم ومبید النقم" (ص: ۸۱) میں فرماتے ہیں :۔

" المحدث من عرف الاسانيد ، والعلل ، وأسماء الرجال ، والعالي ، والنازل وحفظ مع ذلك جملة مستكثرة من المتون وسمع "الكتب الستة" و "مسند أحمد بن حنبل" و "سنن البيهقي" و "معجم الطبراني" وضم الى هذا القدر الف جزء من الأجزاء الحديثية هذا أقل درجاته ۔

علم الرجال تعريفه وكتبه - ص ۴۷۱ - ۴۸)

کتب اصول حدیث میں ہے کہ "حافظ" کا لفظ جب کسی راوی پر بغیر کسی
جرح کے بولے جائیں تو وہ اس راوی کی توثیق پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ حافظ
ذھبی رحمہ اللہ کی "الموقظہ" ص: ۶۸) وغیرہ میں ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ "المحدث" درجہ کے اعتبار سے "حافظ"
سے کچھ کم تر ہوتا ہے،

تو جب "حافظ" بغیر کسی جرح کے اطلاق کے توثیق ہے تو "محدث"
(اگرچہ درجہ میں کچھ کم ہے) کیوں نہیں۔ خصوصا محدث کی تعریف میں
اوپر گذر چکا ہے کہ اس (محدث) نے بہت ساری احادیث حفظ کی ہوں، اور
اسانید۔ علل، اسماء الرجال، عالی، نازل پر اطلاع رکھتا ہو۔

توثیق میں دو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں،

۱- عدالۃ

۲- ضبط، حافظہ.

حافظ ذھبی رحمہ اللہ نے "احمد بن مسعود زنبری" کو "محدث" قرار دیا
ہے۔ تو یا اس کے حالات سے باخبر ہونے کے بعد اس پر یہ حکم لگایا ہے، اگر
اس میں جرح پاتے تو ضرور بیان کرتے۔

لھذا اس کا جرح کے بیان کئے بغیر "محدث" کہنے سے واضح ہوگیا کہ
وہ عادل بھی ہے اور صاحب ضبط بھی۔

تقریبا اسی سے قریب "ارشاد القاصی والدانی" مصنف دکتور نایف بن صلاح

المنصوری حفظہ اللہ نے "احمد بن مسعود" سے متعلق کہا ہے، فرماتے ہیں:
"ثقة، ولو كان هناك ما يطعن فيه لأجله لذكروه، فإن الرجل مشهور

بالرحلة و طلب الحديث۔

یعنی وہ ثقہ ہے اگر اس میں وہ (محدثین کرام) طعن پاتے تو ضرور وہ ذکر کرتے، بیشک وہ شخص سفر اور حدیث کے طلب میں مشہور ہے۔
ارشاد القاصی والدانی ص: ۱۸۵)

تو ثابت ہوا کہ جس طرح "حافظ" کا اطلاق کرنے سے راوی کی توثیق ہے اسی طرح "محدث" کا لفظ اطلاق کرنے سے توثیق ہے۔
فلیتدبر علی ذلک۔

لھذا "احمد بن مسعود زنبری" ثقہ راوی ہے۔
اس کو "مجہول" یا "مجہول الحال" کہنا کسی بھی صورت درست نہیں،
جبکہ مسلمہ بن قاسم نے بھی توثیق نقل کی تھی۔ کہ انہوں نے انکو "لا باس بہ" قرار دیا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔
اس طرح بحمد اللہ تعالی انکے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ "محدث" وغیرہ کے الفاظ اصول حدیث کی کونسی کتاب مطلقاً توثیق قرار دیا ہے؟

باقی انکا یہ کہنا کہ "اگر توثیق قرار دیا ہے تو اسے "ثقہ" کے کونسے طبقے میں رکھا ہے"؟ ۔ ھو

تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس طرح احادیث شریفہ سے استخراج۔ اجتہاد، اور استنباط قیامت تک جاری و ساری رہیگا اسی طرح محدثین کرام کی اصطلاحات سے بھی استخراج۔ اجتہاد اور

استنباط جاری و ساری رہیگا۔

میں نے اوپر "محدث" کی تعریف بھی کتاب سے نقل کی، اور "حافظ" کے لفظ بھی اسکا موازنہ کرکے اسکو توثیق ثابت کیا ہے۔

باقی یہ بات کہ "ثقاہت کے کونسے ..... الخ۔

تو ذیل میں میں چند الفاظ توثیق کے ذکر کرتا ہوں جن کو "طبقات التعدیل" میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ تو محترم موصوف سے التماس ہے کہ انکا بھی انکار فرمادیں۔

۱۔ المفید۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ "تذکرۃ الحفاظ" میں اسکے متعلق فرماتے ہیں۔
قلت: فھذہ العبارۃ اول ما استعملت لتعبأ فی ھذا الوقت قبل الثلاث مائۃ۔ والحافظ أعلیٰ من المفید فی العرف۔ کما ان الحجۃ فوق الثقۃ۔ ۳/۹۷۹)

یعنی "حافظ عرف میں مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہے جس طرح "حجۃ" "ثقہ" سے بڑا ہے"

اور یہ اسی شرط پر کہ "مفید" سے موصوف راوی مجروح نہ ہو، "مفید" کے اطلاق سے "حافظ" کی طرح راوی کی توثیق ہے۔
اب بتایا جائے کہ "یہ لفظ اصول حدیث کی کتب کے اندر "طبقات التعدیل" کے کس طبقے میں ذکر کیا گیا ہے؟"

یاد رہے، "مفید" وہ ہے جس میں "محدث" کی شرط

پائی جاتی ہے،

٢- سماعہ صحیح، اصولہ صحیحۃ،

کتب رجال کے اندر بیشمار ایسے رواۃ پائے جاتے ہیں جن کے متعلق نقاد نے ثقہ وارد نہیں ہوتی، مگر مذکورہ اور اس کے مشابہ الفاظ بولے جاتے ہیں، جن کو توثیق قرار دیا گیا ہے،

مثلا حافظ ذہبی رحمہ اللہ "السیر" میں "احمد بن یوسف بن خلاد بن منصور النصیبی" کو ذکر کرکے اس کے ترجمے میں خطیب بغدادی سے نقل کرتے ہیں قال الخطیب: کان لا یعرف شیئا من العلم، غیر أن سماعہ صحیح، وقد سأل أبا الحسن الدارقطنی فقال: أیما أکبر الصاع أو المد؟

فقال للطلبۃ: انظروا إلی شیخکم. اھ.

امام ابو نعیم سے نقل کرتے ہیں:

وقال ابو نعیم: کان ثقۃ.

اور اسی طرح ابو الفتح بن أبی الفوارس فرماتے ہیں:-

لم یکن یعرف من الحدیث شیئا.

اس کے بعد حافظ ذہبی فرماتے ہیں:-

قلت: فمن هذا الوقت بل وقبلہ صار الحفاظ یطلقون هذه اللفظۃ علی الشیخ الذی سماعہ صحیح بقراءۃ متقن، واثبات عدل، وترخصوا فی تسمیتہ بالثقۃ، وانما الثقۃ فی عرف أئمۃ النقد کانت تقع علی العدل فی نفسہ، المتقن لما حملہ، الضابط

لما نقل، وله فهم ومعرفة بالفن، فتوسع المتأخرون.

(۱۷/ ۶۹-۷۰)

دیکھیے امام ابو نعیم، ابن ابی الفوارس، اور خطیب بغدادی ابن خلاد کو باوجود حدیث کی عدم معرفت وعدم ضبط کے ثقہ قرار دے رہے ہیں، جب حدیث مبارک نہ حفظ ہے اور نہ ہی اسکی اسکو معرفت ہے۔ تو باقی ثقہ کسی چیز میں ہے وہ؟

بات بالکل واضح ہے کہ وہ کتب سے روایت کرتا ہے۔ اور جن کتب سے وہ روایت کرتا ہے انکا سماع صحیح اور قراءہ متقن ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کتاب سے روایت کرنے میں ضبط کی شرط نہیں یعنی ہر راوی ثبوت عدالت کے ہوتے ہوئے کتاب سے روایت کرے تو اسکی روایت قبول ہوگی، کیونکہ اس میں ضبط وحفظ کا کوئی تعلق نہیں۔

المختصر مذکورہ الفاظ توثیق میں سے ہیں، اور ان الفاظ سے موصوف بیشمار رواۃ ہیں۔ بتایا جائے کہ یہ الفاظ "طبقات التعدیل" کے کسی طبقہ کے میں رکھے گئے ہیں یا انکو کسی طبقہ میں شمار کیا گیا ہے؟

لھذا یہ ضروری نہیں کہ توثیق کے جن الفاظ کو "مراتب التعدیل" میں نہیں ذکر کیا گیا ھے وہ مطلقا توثیق کے الفاظ ہی نہیں،

ورنہ محترم موصوف مذکورہ الفاظ کو توثیق قرار دینے میں ان ائمہ کرام کی بات کو رد فرمادیں.

بہر حال یہ اعتراض بھی محترم موصوف کا قابل التفات نہیں۔

اب آتے ہیں پہلے اعتراض کی طرف،

محترم موصوف نے اپنے مقالہ کے اندر حدیث ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ کو محدثین عظام و علماء کرام کی پیروی میں ابو مجلز اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے، ضعیف قرار دیا ہے۔

اور ان تمام علماء جن میں علامہ البانی اور شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں نے بھی ابن حجر رحمہ اللہ کی پیروی میں اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔

اب میں یہاں ابن حجر رحمہ اللہ کا انقطاع والا اعتراض نقل کرکے اس پر میرا "الرد الاثیر۔۔الخ" میں جو تفصیلی جواب ہے وہ یہاں میں دوبارہ نقل کرونگا، تاکہ حقیقت قارئین عظام کے سامنے کھل کر واضح ہو جائے، پھر اسکے بعد محترم موصوف نے جو اپنے حالیہ مقالہ، الطالب المجیب ۔۔الخ، میں اسکا جواب دیا ہے اسکو ذکر کرکے، پھر اسکا بھی مختصر جواب ذکر کرونگا۔ ان شاء اللہ العزیز۔
ملاحظہ فرمائیں:۔

ابن حجر رحمہ اللہ کا امام نووی رحمہ اللہ کی حدیث کی تصحیح پر یہ اعتراض ہے فرماتے ہیں:۔

وأما حكم الشيخ على الاسناد بالصحة ففيه نظر، لأن أبا مجلز لم يلق سمرة بن جندب ولا عمران بن حصين، فيما قاله

علی بن المدینی، وقد تاخر بعد ابی موسی، ففی سماعه من أبی موسی نظر. (1) وقد عُدّ منه الارسال ممن لم یلقه ورجال الاسناد المذکور رجال الصحیح الا عباد بن عباد وھو ثقة. (نتائج الافکار. بتحقیق الشیخ حمدی عبد المجید السلفی رحمه الله)

یعنی اور باقی جو تیخر (علامہ نووی رحمہ) کا اسناد پر صحت کا حکم ہے تو اس میں نظر ہے۔ کیونکہ امام علی بن المدینی کے قول کے مطابق ابو مجلز نے سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین سے ملاقات نہیں کی۔

(1) خط کشیدہ الفاظ سے بالکل واضح ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ کا اعتراف عدم ملاقات اور عدم سماع کا ہے۔ اس ہے "کالشمس فی رابعة النھار" کی طرح بالکل واضح ہے کہ ابو مجلز نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا ادراک کیا ہے۔ یعنی زمانہ پایا ہے۔ لقاء اور سماع کا ابن حجر انکار کر رہے ہیں۔ اور جس وجہ سے انکاری ہیں وہ بھی انہوں نے وضاحت فرمادی ہے، یہاں صرف اعتراف کی طرف اشارہ مقصود تھا تاکہ قارئین کرام تفصیلی بحث کو بآسانی سمجھ سکیں۔

(۳۶۵ ص ۱ سنہ ۱۲۰ھ ...

اور وہ دونوں ابو موسیٰ کے بعد فوت ہوئے ہیں(1) تو اس لحاظ سے اسکا (ابو مجلز) ابو موسیٰ سے سماع ممکن نظر آتا ہے، اور اس نے اس سے ارسال کیا ہے جس سے اس نے ملاقات نہیں کی۔ اور مذکورہ اسناد کے رجال صحیح (یعنی صحیح بخاری) کے ہیں سوائے عباد بن عباد کے اور وہ ثقہ ہے۔ و اللہ اعلم۔ نتائج الافکار تحقیق الشیخ حمدی عبدالمجید السلفی ۱/۲۶۳)

حافظ ابن حجرؒ نے ابو مجلز کے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع کا اس لئے انکار کیا ہے کہ جب وہ سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہ کر سکا (جب کہ وہ دونوں ابو موسیٰ کے بعد فوت ہوئے ہیں اور ابو موسیٰ ان سے پہلے فوت ہوئے ہیں) تو پھر پہلے فوت ہونے والے (ابو موسیٰ) سے کیسے ملاقات کر سکتے ہیں؟؟؟

حالانکہ ان کا یہ اعتراض درست نہیں۔ ان کا یہ اعتراض تب درست ہو سکتا تھا کہ جب ابو مجلز نے سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کا سرے سے ادراک ہی نہ کیا ہو یعنی زمانہ ہی نہ پایا ہو کہ جب بعد میں وفات پانے والے

---

(1): ابن حجرؒ تقریب میں فرماتے ہیں: مات بالبصرۃ سنۃ ثمان وخمسین یعنی ۵۸ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے ہیں۔ (یعنی سمرۃ بن جندب) اور عمران بن حصین کے بارے میں کہتے ہیں: مات سنۃ اثنتین وخمسین بالبصرۃ۔ یعنی بصرہ ۵۲ھ میں فوت ہوئے (ایضاً ص ۳۹۹ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں: مات سنۃ خمسین و قیل بعدھا۔ یعنی ۵۰ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد فوت ہوئے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۸۳)

کا بھی زمانہ نہ پایا تو پہلے وفات پانے والے کا زمانہ کیسے پائیگا؟

لیکن ابو مجلز نے ان تینوں کا زمانہ پایا ہے۔ جیسا کہ ابن المدینی کے الفاظ ہیں۔ کہ ابو مجلز نے سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں کی ، اور ابن حجر کا خود کا بھی اقرار ہے کہ "اس سے ارسال کیا جس سے اس نے ملاقات نہیں کی"، گویا زمانہ پایا ہے ، مگر ملاقات نہیں کی ،(۱)

گویا اس نے ادراک کیا ہے مگر امام علی بن المدینی کے پاس کوئی ٹھوس شواہد تھے جن کی بنیاد پر انہوں نے ابو مجلز کے سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ کی ملاقات کا انکار کیا ہے۔

مگر ابو مجلز کے ابو موسی سے عدم سماع و عدم لقاء کے کیا شواہد ہیں جن کی بنیاد پر اس کا ہے ابو موسی سے عدم سماع و عدم لقاء قرار پائے۔؟؟

لہذا اس نے جب زمانہ پایا ہے چاہے کوئی پہلے فوت ہوا ہو یا کوئی بعد میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہاں ابن المدینی کی طرح ابن حجرؒ کے پاس اگر اس عدم لقاء و عدم سماع کے کوئی اور اسکے علاوہ شواہد و ثبوت ہوتے تو پھر یہ قابل توجہ تھا۔ مگر جس بناء پر انہوں نے انکار کیا ہے تو یہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا تھا کہ اس نے مطلقا ادراک ہی نہ کیا ہو لیکن یہاں یہ بات مفقود ہے، اسنے ادراک کیا ہے۔ جسکا اقرار امام علی بن المدینی اور ابن حجر رحمہما اللہ نے خود کیا ہے۔

(۱) یعنی ادراک کیا ہے۔ جب ہی تو ملاقات کا انکار کررہے ہیں۔

ہاں محترم موصوف اگر یہ موقف اختیار کریں کہ سند کے اتصال کے لئے ضروری ہے کہ زندگی میں ایک ہی دفعہ راوی اور مروی عنہ کے مابین لقاء یا ایک مرتبہ سماع کی تصریح ثابت ہو، تو اسی بناء پر ابو مجلز اور ابو موسی کے مابین انقطاع وعدم سماع کا حکم لگا سکتے ہیں۔ لیکن اسی موقف میں نظر ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ راوی کا مروی عنہ سے ادراک ثابت ہو اور بس۔ باقی اگر محدثین کرام کسی راوی پر زمانے کے ادراک کے باوجود کسی مخصوص راوی سے ارسال کا حکم لگائیں تو وہ الگ بات ہے، تو اسی سے اسکی روایت مرسل رہیگی، باقیوں سے متصل۔

محترم موصوف کی طرز سے تو یہی لگ رہا ہے کہ شاید انکے نزدیک اتصال کے لئے محض زمانے کا ادراک کافی نہیں بلکہ لقاء اور سماع کا ثابت ہونا شرط ہے۔

لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ابن حجر کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے یہ بات کہی ہو۔ واللہ أعلم۔

لیکن بہرحال اسکا میں نے تدارک کردیا ہے کہ یہ اعتراض سرے سے ہی قابل توجہ نہیں۔

محدث العصر شیخ زبیر علی زئی نے مقالات (۲/۲۰۲) میں اس روایت کو ابو مجلز اور ابو موسی کے مابین عدم ثبوت لقاء کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں: لیکن یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔ ابو مجلز کا سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت

نہیں ہے ...الخ.

اس پر دو باتیں عرض ہیں،

۱- ایک ہوتا ہے عدم ثبوت لقاء وسماع

۲- دوسرا ہوتا ہے شواہد وثبوت کی بناء پر عدم لقاء وسماع کا کلیتاً انکار

پہلی صورت کا ماحصل یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے مابین دلائل اور براہین سے لقاء وسماع ثابت ہو ورنہ انقطاع ہوگا۔

دوسری صورت کا ماحصل یہ ہے کہ ادراک کی صورت میں اتصال ہوگا إلا کہ شواہد وبراہین عدم سماع ولقاء پر دلالت کریں تبھی پھر انقطاع ہوگا ورنہ اتصال،

شیخ صاحب رحمہ اللہ ابو مجلز کا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا اس لئے انکار کررہے ہیں کہ انکو انکی ملاقات کے شواہد نہیں ملے۔ گویا اس سے یہ ثابت ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ کا منہج راوی کا مروی عنہ سے محض ادراک ہی کافی نہیں بلکہ لقاء وسماع کا ثبوت بھی درکار ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ادراک کا اقرار کیا ہے۔

لیکن لقاء وسماع ثابت نہیں اس لئے انقطاع قرار دے رہے ہیں۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شیخ رحمہ اللہ کا منہج ثبوت ادراک والا ہی ہے انکے نزدیک لقاء وسماع شرط نہیں،

اور یہاں انسے یہ سہو ابن حجر پر اعتماد کرتے ہوئے ہوا ہے۔

بلکہ انہوں نے تو اپنی کتاب "الفتح المبین ...الخ" میں اس لقاء وسماع کے ثبوت کے موقف کی پرزور تردید کی ہے،

چنانچہ آپ [redacted] ابن حجر کی اس بات "واذا اروی عمن عاصرہ بالصیغۃ
المتحملۃ لم یحمل علی السماع فی الصحیح المختار الخ [redacted]

یعنی "اور جب روایت کرے (یعنی کوئی راوی) اس سے جس کا اپنے
زمانہ پایا ہو [redacted] ایسے صیغہ سے جس میں سماع وعدم سماع دونوں کا احتمال ہو تو راجح
قول میں وہ سماع پر محمول نہیں کیا جائیگا،

تو اس پر شیخ رحمہ اللہ تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: بل
الراجح أن عنعنة غير المدلس محمولة على السماع كما ذهب
اليه الامام مسلم وغيره إلا اذا جاءت القرينة النافية للسماع
(ص ١٥)

اس سے ثابت ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ نے ابن حجرؒ کی بات پر
اعتماد کرتے ہوئے ابو معلی اور ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ
کے مابین عدم ثبوت لقاء کا حکم لگایا۔

حالانکہ اگر وہ تھوڑا ابن حجرؒ کے کلام پر غور فرماتے تو
انکے سامنے اس انقطاع کا عقدہ بھی کھل جاتا کہ [redacted] انکے
(ابن حجرؒ) کلام سے کیا ظاہر ہو رہا ہے، اور انکے اس اعتراض کی توضیح کا بھی
ورنہ [redacted] وہ لقاء کے ثبوت کا نہ کہتے، اور نہ ہی حدیث کو
ضعیف قرار دیتے۔

شیخ رحمہ اللہ کی مذکورہ عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ،
بلکہ راجح بات یہ ہے کہ بلاشبہ مدلس (راوی) کے علاوہ کا

عنعنہ سماع پر محمول ہے جیساکہ اسی طرف امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ گئے ہیں، الا کہ کوئی عدم سماع کا قرینہ آجائے، اھ.
لهذا بات واضح ہوگئی کہ شیخ رحمہ اللہ کا منہج ثبوت ادراک والا ہے نہ کہ ثبوت لقاء وسماع والا۔
توجیہ: ابن حجر کا اعتراض عدم ادراک والا نہیں بلکہ عدم لقاء وعدم سماع والا ہے، تو شیخ رحمہ اللہ اس اعتراض کو کیوں قبول کرسکتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ یہ غلطی ان ابن حجرؒ کی بات پر غور نہ کرنے سے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
مزید عرض ہے بھی وضاحت کردی کہ انکا اعتراض اگر عدم ادراک والا ہوتا تو بھی درست تھا، لیکن جیسا پہلے گذرا کہ انکا اعتراض عدم ادراک والا نہیں بلکہ عدم لقاء وعدم سماع کا ہے۔ اس لئے درست نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔
علامہ البانی رحمہ اللہ نے جب اپنی کتاب "تمام المنة" کے اندر ابن حجر رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کو نقل کرکے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث پر [illegible] انقطاع کی وجہ سے ضعف کا حکم لگایا۔ تو حمدی رحمہ اللہ اس پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: "قلت: فی هذا نظر، فإنه لا یلزم من کون أحد من التابعین لم یسمع من صحابی قد مات بعد مدة من زمان أنه لم یسمع من صحابی قد مات بعد ذلک الصحابی المتأخر الوفاة. فهذا الحسن البصری قد سمع خطبة عثمان رضی اللہ عنہ

تماما مصرح في "المعجم الكبير" [1] للطبراني بسند صحيح. ولكنه لم يسمع من أبي هريرة رضي الله عنه. وقد تأخرت وفاته بعد عثمان رضي الله عنه بمدة مديدة - فهذا الشيء لا طائل تحته، والله الموفق للصواب

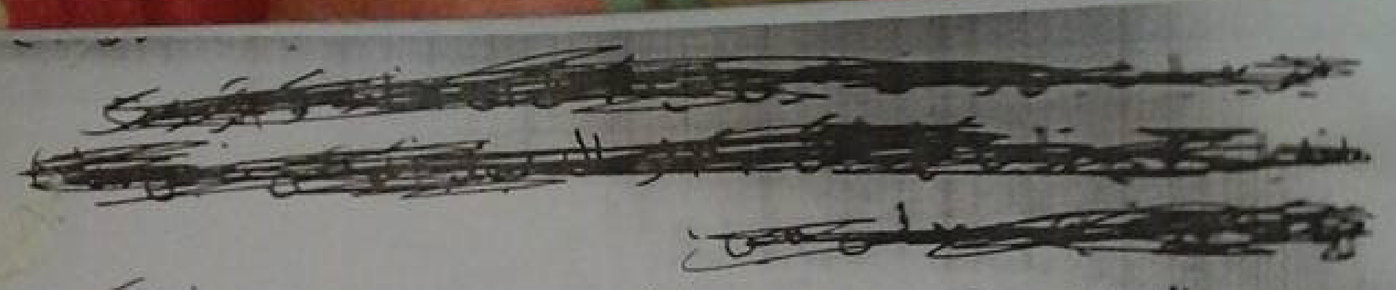
(ص ٩٥) یعنی "اس میں دقت ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ تابعین میں سے اگر کسی نے ایسے صحابی سے سماع نہیں کیا جو ~~[illegible]~~ کچھ عرصہ بعد فوت ہوا ہو تو اس سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہونے والے سے بھی اس نے سماع نہ کیا ہو،

حسن بصری کو دیکھیں انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی کی "المعجم الکبیر" [1] میں سند صحیح کے ساتھ اسکی صراحت موجود ہے، لیکن انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ حالانکہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ عرصہ بعد فوت ہوئے تھے۔ پس یہ ایسی چیز ہے جس کے نیچے

اللہ ہی درست بات کی توفیق دینے والا ہے۔ واللہ أعلم (ص ٩٥)

بھی تھی جو امام رحمہ اللہ کی تعلیق کے انھوں نے مثال دیکر واضح کیا کہ ابن
حجر رحمہ اللہ کا اعتراض قابل التفات نہیں، جسکی میں نے اپنے کلام میں بھی
اچھی طرح وضاحت کردی ہے،

تنبیہ :- سابقہ صفحات میں ابن حجر رحمہ اللہ کا جو جملہ انکی
کتاب "نتائج الافکار" سے نقل کیا گیا ہے - اسی میں انکے الفاظ ہیں
"وقد عهد منه الارسال ممن لم يلقه".
مگر علامہ البانی نے امام سیوطی کی کتاب "تحفۃ الابرار بنکت
الاذکار" سے ابن حجر کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اس طرح ہیں
"وقد عهد منه الارسال عمن يلقاه".
اسکا معنی یہ بنتا ہے کہ اس (ابو مجلز) نے جن سے ملاقات کی
ہے ان سے بھی ارسال کیا ہے - تو یہ الفاظ درست نہیں، جس کا غلط ہونا
سیاق کلام سے ثابت ہو جاتا ہے، اور ان الفاظ سے ابن حجر کا بنیادی
اعتراض ہی عبث ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ تو ابو مجلز اور ابو موسی
الاشعری رضی اللہ عنہ کی عدم لقاء کو ثابت کر رہے ہیں - اور دلیل
امام علی بن المدینی کے قول سے لے رہے ہیں، تو کیا یہ عجیب نہ
ہوگا کہ دلیل عدم لقاء کی لے رہے ہیں اور عدم لقاء ہی کو
ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر ہم کہہ بھی رہے ہیں کہ ان سے ارسال
کیا ہے جن سے ملاقات کی ہے، مزے کی بات کہ ایسے تو خود
ابن حجر رحمہ اللہ پر رد ہو رہا ہے کہ وہ خود مان رہے ہیں کہ ابو
مجلز نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہے،
تو جب ادراک بھی کیا ملاقات بھی ہے مگر پھر بھی ارسال!
یعنی اسی طرح انکے قول ہی سے عدم انقطاع ثابت ہو رہا ہے،



بہر حال ابن حجر کے درست الفاظ وہ ہیں جو میں نے انکی کتاب "نتائج الافکار" سے نقل کیے ہیں - اور علامہ البانیؒ کے نقل کردہ الفاظ غلط ہیں۔ فلینتبہ علی ذالک۔

علامہ البانیؒ نے اس حدیث کے ضعف پر ایک دوسرا اعتراض بھی وارد کیا ہے - اور وہ ہے اس حدیث کا موقوف ہونا - یعنی انکا موقف ہے کہ یہ حدیث اصل میں - اگر [redacted] اسکو صحیح مانا جائے - موقوف ہے - مرفوع ہونا اسکا درست نہیں۔

چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ

"وقد وجدت للحديث علة اخرى - وهي الوقف - فقد اخرجه ابن ابي شيبة في "المصنف" (٢٩٧/١) من طريق ابي بردة قال: كان ابو موسى اذا فرغ من صلاته قال: "اللهم اغفر لي ذنبي ويسر لي امري وبارك لي في رزقي"، وسنده صحيح، وهذا يرجح ان الحديث اصله موقوف - وانه لا يصح رفعه. وانه من اذكار الصلاة لو صح."

یعنی مجھے حدیث میں دوسری علت بھی ملی ہے، اور وہ اسکا موقوف ہونا، ابن ابی شیبۃ نے "المصنف" (٢٩٧/١) میں ابو بردۃ کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ابو موسی جب [redacted] اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو کہتے --- الخ۔ تمام المنۃ (٩٦)

صدا مجھے رحمہ اللہ علامہ البانی نے اس قول پر تعقیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والاسف ان العلامة الالباني حفظه الله لم يراع تفاوت

---

(١) د الآله رحمه الله تعالى

النسائي الصنعاني . ثم انه يحتمل أن يكون الدعاء قد ورد في الوضوء والصلاة . فلا وجه للاعلال به . فتدبر .

وأما الاعلال بالانقطاع، فإن أحداً من الأئمة المتقدمين لم يقل بعدم سماع أبي مجلز من أبي موسى رضي الله عنه. حتى الامام ابن ابي حاتم لم يذكره في مراسيله . ولم أر للحافظ ابن حجر سلفاً في المصار تشكيكه سماع أبي مجلز من أبي موسى رضي الله عنه . ولم يذكر على ذلك شيئاً من الدليل . وغاية ما قال : انه كان يرسل ، والفرق بين الارسال والتدليس بين لا يخفى من مثل الحافظ ولا يلزم من كون احد من التابعين قد ارسل عن صحابي في موضع او موضعين أنه كان يرسل في كل موضع - نعم ، اذا كان قد صرح أحد من الأئمة الجرح والتعديل أن هذا الرجل قد ارسل عن الصحابي الفلاني فهذا يكون سبباً للقدح لا بمجرد الظن والتخمين . وأبو مجلز من كبار الثالثة فسماعه من ابي موسى رضي الله عنه ليس ببعيد . فإذ لم يصرح أحد من الأئمة المتقدمة بعدم سماعه من أبي موسى فسماعه هو الثابت المتيقن . فلا نترك اليقين بالوهم والشك . فالحديث - والحمد لله - صحيح - والله أعلم بالصواب .

وقد ادخل الحافظ المزي في " تهذيب الكمال " أبا موسى الأشعري رضي الله عنه في شيوخ أبي مجلز ولم يتكلم بخلاف ذلك ، وهذا أيضاً مؤيد لما ذهبنا إليه - والله الموفق ، ([redacted])

یعنی " افسوس کہ علامہ البانی حفظہ اللہ (۸) نے دونوں دعاؤں کے الفاظ کے فرق کا لحاظ نہیں کیا، پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دعا وضو اور نماز (دونوں) کے لئے ہو، تو یہ کوئی وجہ نہیں اس (حدیث) کو معلول کرنے کے لئے۔

اور باقی (حدیث کو) انقطاع کی وجہ سے معلول قرار دینا دیا تو ائمہ متقدمین میں سے کسی ایک (امام) نے بھی ابو مجلز کے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے عدم سماع کا نہیں کہا، یہاں تک کہ امام ابن ابی حاتم نے اسکو اپنی "مراسیل" میں (بھی) ذکر نہیں کیا، اور ابن حجر نے جو ابو مجلز کے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سماع کے شک کا اظہار کیا ہے تو ہمیں سلف سے اسکا ثبوت نظر نہیں آیا، اور نہ ہی ابن حجر نے اس پر کوئی دلیل ذکر کی ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ اگر تابعین میں سے کوئی تابعی صحابی سے ایک یا دو جگہوں پر ارسال کرے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر جگہ ارسال کرتا ہے[1] ہاں جب ائمہ جرح و تعدیل میں سے کوئی جب صراحت کرے کہ اس شخص نے فلاں صحابی سے ارسال کیا ہے تو یہ نقصان (یعنی حدیث کے ضعف کا) سبب بن سکتا ہے۔ اسکے علاوہ وہم و گمان ہے؛ اور ابو مجلز کبار ثالثہ میں سے ہے تو اسکا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سماع بعید نہیں

پھر تو جب ائمہ متقدمین میں سے کسی نے بھی اسکا ابو موسیٰ سے عدم سماع کا نہیں کہا تو (گویا) اسکا سماع یقینی طور پر ثابت ہوا۔ لہذا ہم یقین کو محض وہم و شک کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے، پس

---

[1]: اسکا مطلب یہ ہے کہ "یعنی اگر کوئی تابعی کسی صحابی سے ارسال کرتا ہے تو اس سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اب وہ ہر صحابی سے ارسال ہی کریگا یا اب ہر صحابی سے اسکی روایت مرسل ہوگی۔ یعنی یہ بات غلط ہے۔

ابو المنصور عفا اللہ عنہ

حدیث۔ والحمدللہ۔ صحیح ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اور حافظ مزی نے "تھذیب الکمال" میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ کو ابو مجلز کے شیوخ میں داخل کیا ہے۔ اسکے خلاف کوئی کلام نہیں کیا، جیسے کہ پیچھے گذرا ہے۔ جسکی طرف ہم گئے ہیں۔ اسکی تائید ہوتی ہے۔ واللہ الموفق۔ تمام المنۃ ص: ۹۷-۹۸)

اب محترم موصوف کا مختصر جواب ملاحظہ کیا جائے۔

مرحلہ نمبر ۶ :-

معترض نے ابو مجلز اور ابو موسیٰ الاشعری رض کے مابین انقطاع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، روایت کو ضعیف بتلانے کی وجہ سے اور کئی دیگر ائمہ واہل علم کو غلط قرار دیا ہے،

جواب مختلف شقوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور معترض کی ایک ایک بات کو اسکی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

★ مرحلہ ۲ بیں:

کہنا کہ بیسیوں برس گزر جانے ......الخ: تو انتہائی عجیب ہے، اگر یہ طریقہ بھی اتمام حجت ہے، تو ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن حجر رحمہ اللہ مہدی ہجری کے ہیں۔ اور ابن حجر تک اس حدیث کو کسی نے بھی انقطاع سے ضعیف نہیں کہا۔ تو کیا محترم موصوف اس کی صحت کے لیے اتمام حجت کو ماننے کے لیے تیار ہیں؟ - الرد الاثیر ص ۸ -

جواب:-

عرض ہے کہ معترض کے دعوے اور ہمارے دعوے میں فرق ہے، وہ یہ کہ حجۃ علیٰ من لم یعرفہ کے اصول کے تحت شروع آٹھ سو سالوں تک اور علت پر مطلع نہیں ہوا، جب ابن حجر رحمہ اللہ ہو گئے تو انہوں نے اب اگر ان کے بعد آپ اس علت وقرینہ کو نہیں مانتے تو ... لائیں، جو لانے سے آپ قاصر ہیں، آپ کا الزامی جواب تب

درست ہوتا جب آپ اس روایت کے اتصال کے لئے بھی ایسا کوئی قرینہ پیش کرتے جیساکہ منقطع قرار دینے والے پیش کرچکے ہیں۔ تو لہٰذا آپکا الزامی جواب موجودہ حالت میں جائز ہی نہیں ہے۔

★ ابن حجر رحمہ اللہ کے اعتراض کے متعلق لکھتے ہیں:

حالانکہ انکا یہ اعتراض درست نہیں، اور انکا یہ اعتراض تب درست ہوسکتا تھا، جب ابو مجلز نے سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کا سرے سے ادراک ہی نہ کیا ہو۔ یعنی زمانہ ہی نہ پایا ہو کہ جب بعد میں وفات پانے والے کا ہی زمانہ نہ پایا تو پہلے وفات پانیوالے کا زمانہ کیسے پائے گا،

الرد الاثیر - ۱۰

جواب۔ یہ اعتراض بالکل درست ہے، وہ اس طرح کہ جب ابو مجلز کا ۵۸، اور ۵۲، ہجری میں فوت ہونیوالوں سے لقاء و سماع ثابت نہیں، باوجود ادراک کے،

تو ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تقریبا ۵۰، یا اس سے قبل وفات پانے والے سے کس طرح لقاء و سماع ممکن ہے، جب وہاں ادراک غیر مفید ہے، تو یہاں ادراک کا کیا فائدہ، یہ ایک اہم قرینہ ہے، جس کا توڑ لانے سے آپ قاصر ہیں۔

★ مزید لکھتے ہیں:

لیکن ابو مجلز نے ان تینوں کا زمانہ پایا ہے۔

الرد الاثیر - ص - ۱۰

جواب۔ زمانہ تینوں کا پایا ہے۔ دو سے منقطع آپ بھی مانتے ہیں، تو از راہ کرم بتائیں کہ تیسرے کے عدم انقطاع کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے ؟؟؟

جواب :- آپ جب علی بن مدینی رحمہ اللہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے پاس ٹھوس دلائل ہونگے ۔ تو ابن حجر رحمہ اللہ کے متعلق کیوں نہیں کہتے کہ ان کے پاس جو قرینہ تھا وہ بھی کن وجوہات سے منکشف ہوگا ، آپ ان کے بیان کردہ قرینے کا رد کیوں نہیں لائے ، محض ادراک ہی پیش کر رہے ، اور دوسری طرف اشارتاً خود کہہ بھی رہے ہیں کہ بوقت نزاع ادراک کی کوئی حیثیت نہیں ، کیونکہ ادراک تو سمرہ بن جندب و عمران بن حصین کے مسئلے میں بھی ہے ، اور غیر مفید ہے ، آپ بھی مان چکے ہیں ۔ تو یہاں اسے آپ کس دلیل سے مفید ثابت کرنے پر ڈٹے ہیں ۔

اب آخر تک معترض کا یہی انداز ہے ، کوئی دلیل نہیں لا رہے ، جس سے انقطاع اتصال میں تبدیل ہو جائے ۔ محض ادھر ادھر کی بحث شامل بحث ہوگئی ہے ۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا پیش کردہ قرینہ اپنی جگہ پر قائم ہے ، جو قرینہ اس روایت کی انقطاع کی اہم دلیل ہے ۔ ص ۱۰-۱۳)

سب سے پہلی بات یہ کہ محترم موصوف نے کئی ائمہ اور اہل علم کو جو غلط قرار دینے کی جو جسارت کی ہے وہ قطعاً درست نہیں ۔ میں نے انکی ایک غلطی کی نشاندہی کی ہے جو باعتبار دلائل الحمد للہ تعالیٰ بالکل درست ہے ۔ محترم موصوف نے جس طرح کے الفاظ بیان کئے ہیں وہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں ۔ جس سے یہ ظاہر

ہو رہا ہے کہ میں ان ائمہ کرام سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ حالانکہ یہ طرز قطعاً غلط ہے۔

میں نے محض ایک غلطی، خطاء، یا سہو کی نشاندہی کی ہے۔ اس سے یہ کہاں نکل رہا ہے کہ میں انکو غلط کہہ رہا ہوں یا اس ایک غلطی سے وہ غلط ہو گئے ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

بہر حال کما ذکر مجھے انکا یہ طرز، پسند نہیں۔

جاتی اسکے بعد جو انہوں نے ابو مجلز اور ابو موسی الاشعری رضی اللہ کے لقاء اور عدم لقاء پر جو گفتگو کی ہے تو اسکے متعلق میرا گمان اس طرف جاتا ہے کہ شاید انہوں نے میری متعلقہ بحث کو غور سے نہیں پڑھا اور نہ ہی سمجھنے کی انہوں نے کوشش کی ہے،

کیونکہ امام علی بن بن المدینی رحمہ اللہ کا سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما عدم لقاء و عدم سماع والے اعتراض سے ابو موسی الأشعری رضی اللہ کے عدم لقاء و عدم سماع کا کیا تعلق و ربط ہے جو انکے انقطاع سے ابو مجلز اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع لازم آتا ہے؟ ذرا اسکی وجوہات بھی بتائی جائیں۔ کیونکہ کتب اصول حدیث کے اندر راجح قول کے مطابق راوی کی مروی عنہ سے محض معاصرت کے ثبوت سے انکے مابین اتصال سمجھا جائیگا۔ الا کہ اسے

قرائن و دلائل آجائیں جو انقطاع پر دلالت کرتے ہوں ورنہ بصورت دیگر اتصال کا حکم ہوگا۔

لہذا اس تناظر میں ابو مجلز کی ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے معاصرت متحقق ہے۔ جس کا اقرار علی بن المدینی اور حافظ الدنیا اور ابن حجر رحمہما اللہ کو بھی ہے۔

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے پاس ابو مجلز کی سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے عدم لقاء و عدم سماع پر کوئی مخصوص قرائن ہونگے اس لئے انہوں اسکے متعلق یہ فیصلہ دیا۔

ابن حجر رحمہ اللہ کے پاس سوائے مذکورہ کے کونسا قرینہ ہے جو ابو مجلز کی ابو موسی أشعری رضی اللہ عنہ سے عدم لقاء و عدم سماع پر دلالت کرے۔

محترم موصوف فرماتے میں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو قرینہ امام علی بن المدینی کے پاس انقطاع کا ہے وہ ابو مجلز والے انقطاع میں مانا جائے۔

تو بڑا ہی عجیب تر ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے ابو مجلز کی لقاء سمرۃ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما

سے عدم لقاء و عدم سماع کے دلائل و قرائن واضح کئے ہیں کہ ابن حجر رحمہ اللہ کو معلوم ہوجائیں وہ بھی ان وجوہات کے ذریعے ابو مجلز کا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ سے اپنی عدم لقاء عدم سماع پر قیاس کر سکیں،

یقیناً محترم تو یہ بات انتہائی عجیب ہے۔
ذرا غور و فکر کرکے اپنے الفاظ کو صفحہ قرطاس تک منتقل کیا ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ارسال (خفی) کا حکم ہر راوی کا ایک جیسا نہیں ہوتا، بلکہ مختلف ہوتا ہے۔ کسی کے لئے کیا وجہ ہوتی ہے اور کسی کے لئے کیا وجہ۔

لھذا اسی اعتبار سے ارسال (خفی) کا حکم تمام راویوں پر ایک جیسا سمجھنا قطعاً غلط ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو ابو مجلز کی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ سے عدم لقاء و عدم سماع کا کہا ہے وہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کیا ہے۔
اور بس!

اور انکی یہ بات تب درست ہوسکتی تھی جب ادراک نہ ہوتا، کہ دلیل بن جاتی کہ بعد میں فوت ہونے والے سے سماع نہیں تو پہلے فوت ہونے والے سے سماع ہو سکتا ہے یا کیسے

کو انکار نہیں۔

باقی معاصرت و ادراک سے کسی قاعدہ اور قانون کے تحت عدم لقاء وعدم سماع کا انکار کیا جا رہا ہے؟ کیا کسی محدث سے ایسی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

لهذا اسکو محترم کا قرینہ بنانے میں نظر کیجئے، سمرة بن جندب اور عمران بن حصین کے مسئلہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ادراک یقیناً ہمارے لئے بالکل مفید چاہئے محترم اسکو براوجہ درست سمجھیں

پانچویں بات یہ ہے کہ محترم کا میرے متعلق یہ فرمانا کہ، اور دوسری طرف اشارہ خود کئے ہوئے ہیں کہ بوقت نزاع ادراک کی کوئی حیثیت نہیں ۔۔۔ الخ

تو اولا نزاع درست ہوتب نہ اور یہاں نزاع کی بات ہی نہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے۔ کوئی قاعدہ تھوڑی ہے جو اسکو بنیاد بنایا جائے۔

ثانیا میں نے نزاع والی بات قطعا نہیں کی![1] محترم موصوف نے مجھ پر زبردستی تھوپ دی ہے۔

---

(1) اور نہ ہی اسکی طرف میں نے کوئی اشارہ کیا ہے۔ اگر ہے تو محترم موصوف میری وہ عبارت دکھائیں۔

ثالثاً نزاع کی صورت میں اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے، اور قاعدہ یہی ہے۔

رابعاً تنبیہ کے طور پر میں یہاں ذکر کرتا ہوں کہ میں نے اپنے سابقہ مقالہ "الرد الاثیر ... الخ" میں جد امجد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا تھا کہ انہوں نے حسن بصری رحمہ اللہ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع کی مثال دی تھی (۱) کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد فوت ہوئے ہیں۔ لیکن حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۔ جو بعد میں فوت ہوا ہے ۔ سماع نہ کر سکے۔

دیکھیں ابو مجلز اور حسن بصری رحمہما اللہ کی مثالیں دونوں ایک جیسی ہیں، زمانہ دونوں کا پایا ہے۔ جو پہلے فوت ہوا ہے اس سے سماع ہے اور جو بعد میں فوت ہوا ہے اس سے سماع نہیں۔

تو محترم موصوف نے اس کا جواب دینا تو دور کی بات اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ بس دوسروں پر بحث برائے بحث کرنے کا الزام دینے والے خود بحث برائے بحث کر رہے ہیں، کسی اصول کا حوالہ نہ دیا۔

خامساً فرماتے ہیں:- اعتراض بالکل درست ہے ۔۔۵۰ اس طرح کہ جب ابو مجلز کا ۵۸ - اور ۵۲ ہجری میں فوت ہونے والوں سے لقاء

و سماع ثابت نہیں باوجود ادراک کے تو ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ
تقریبا ۵۰ یا اس سے قبل وفات پانے والے سے کس طرح لقاء و سماع ممکن
ہے۔ جب وہاں ادراک مفید نہیں تو یہاں ادراک کا کیا فائدہ؟ یہ ایک
اہم قرینہ ہے۔ جس کا توڑ لانے سے آپ قاصر ہیں۔ (۱۱)

اولاً ادراک پر سابقہ سطور میں تفصیلاً بحث ہو چکی ہے باقاعدہ
اسی طرح کی مثال دیکر۔

ثانیاً دوسری طرح بھی توڑ حاضر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔
حافظ ذہبی رحمہ اللہ "العبر فی خبر من غبر" میں فرماتے ہیں:۔
و فیہا (۱):۔ قالہ خلیفہ ۔: ابو مجلز لاحق بن حمید البصری۔ احد علماء
البصرۃ۔ لقی کبار الصحابۃ کأبی موسٰی و ابن عباس۔ (۱/ ۱۳۱)
اور یہی نقل ابن العماد نے "شذرات الذھب" میں بھی حافظ
ذہبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے (۲/ ۴۱)
اب میں سمجھتا ہوں کہ محترم موصوف کی اتصال والی تمنا بھی
پوری ہو گئی ہو گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔
بہرحال۔ بحمد اللہ تعالیٰ ابو مجلز کا ابو موسٰی الاشعری
رضی اللہ سے سماع کا اثبات نصاً بھی ہو گیا۔

لہٰذا یہ روایت صحیح ہے،

اب محترم موصوف بتائیں کہ کیا میں نے خوامخواہ ایک ضعیف حدیث کو صحیح حدیث ثابت کرنے کے درپے تھا؟ یا ایک صحیح حدیث کو اس پر وارد شدہ اشکالات کا ازالہ کرتے ہوئے اسکو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جزاء حسن کا طلبگار ہوں۔

اتنی جلد بازیاں کسی بھی طور درست نہیں

باقی اسی حدیث پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے جو موقوف کی ترجیح والا اعتراض کیا ہے اور مطلق دعا والا تو اسکا جواب ہمارے سابقہ مقالے "الود الاخیر ..." میں ملاحظہ کیا جائے۔

ان شاء اللہ تشفی بخش جواب مل جائیگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ محترم موصوف کیا اشکال وارد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق و سچ لکھنے اور اس پر استقامت اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

سبحانك اللهم وبحمدك أشهد ان لا اله الا انت استغفرك وأتوب اليك.